تین ننھے سُراغ رساں
اور
سمندری بلا

تین ننھے سُراغ رساں

اور

سمندری بلا

سلیم احمد صدیقی

فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ

پہلی بار	۱۹۷۸
تعداد	۴۰۰۰
قیمت	۴ روپے

خوفناک بلا

"تم کہاں پہنچے ہوئے ہو، عنبر؟" نسیم نے عنبر کی آنکھوں کے آگے اُنگلیاں نچاتے ہوئے کہا۔

"مم۔۔۔ میں؟" عنبر نے جیسے کسی خواب سے چونکتے ہوئے کہا۔ "کہیں نہیں پہنچا۔ دراصل میں یہ سوچ رہا تھا کہ ہم بہت بڑے مُجرم ہوتے تو ہمارا ذہن کسی بڑے ڈاکے کا منصوبہ کیسے بناتا؟"

"ک۔۔۔ ک۔۔۔ کیا؟" عاقِب کے ہاتھ سے پیچ کس چھُوٹ کر پاؤں پر

گِر پڑا۔ ”اُفّوہ!“ وہ درد سے کراہا۔ وہ پیچ کس سے ایک ریڈیو کے پیچھے ٹوٹے ہوئے ہارڈ بورڈ کی جگہ نیا ہارڈ بورڈ لگا رہا تھا اور عنبر کی بات سُن کر بے تحاشا چونک اُٹھا تھا۔

”عنبر یہ کہہ رہا تھا کہ اگر ہم بہت بڑے مجرم ہوتے تو ہمارا ذہن کسی بڑے ڈاکے کا منصوبہ کیسے بناتا۔“ نسیم نے عاقب کو بتایا۔ ”اور اس کا جواب بنا بنایا موجود ہے اور وہ یہ کہ منصوبے سے پہلے جیل کی سلاخوں کی موٹائی اور مضبوطی کے بارے میں بھی سوچنا چاہیے۔“

”یہ آج تم بہکی بہکی باتیں کیوں کر رہے ہو؟“ عاقِب نے کہا۔ ”ہم لوگوں کا جُرم سے کیا تعلّق؟ توبہ! لاحول ولا قوّۃ!“

”میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ اگر ہم مجرموں کے ذہن میں آنے والے منصُوبے کی تفصیلات سوچ سکتے ہیں تو مجرم ہونے کے بعد اُس کا سُراغ زیادہ آسانی سے لگا سکتے ہیں۔“ عنبر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

”میں تو ڈر ہی گیا تھا!“ عاقِب نے کہا۔ ”اور تم نے میرے پاؤں پر چوٹ

بھی لگوادی۔" اُس نے ریڈیو کا سوئچ آن کیا اور اسٹیشن والا بٹن گھُمانے لگا۔ یہ مقامی خبروں کا وقت تھا اور ہر ریڈیو اسٹیشن اپنا اپنا خبریں نشر کر رہا تھا۔ ایک جگہ پر عاقب نے سوئی روک دی۔ ریڈیو کہہ رہا تھا:

"۔۔۔۔۔ پولیس اس بارے میں خاصی پریشان ہے۔ پچھلے ایک ہفتے میں پانچ کتّے پُراسرار طور پر غائب ہو چکے ہیں۔ کتّوں کے مالکوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اب تک کی مقامی خبریں ختم ہوئیں۔ اب آپ کو اُستاد کلّن خان کی ٹھمری۔۔۔۔" عنبر نے آگے بڑھ کر ریڈیو بند کر دیا۔ "یہ تو بڑی عجیب بات ہے! ایک ہفتے کے اندر اندر پانچ کتّے غائب ہو چکے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے کوئی پاگل آدمی کتّے اکٹھے کر رہا ہو!"

"پاگل کیوں؟" عاقِب بولا۔ "مجھے تو یہ کسی عقل مند آدمی کا کارنامہ معلوم ہوتا ہے۔۔۔۔ دیکھو نا، کسی پاگل آدمی کو کتّے جمع کرنے سے کیا فائدہ؟ عقل مند آدمی پہلے سارے کتّوں کا ذخیرہ کر لے گا اور جب لوگ کتّوں کے منہ مانگے دام دینے کو تیّار ہو جائیں گے تو وہ انہیں بیچ کر راتوں رات

امیر بن جائے گا۔"

"بھی مذاق چھوڑو۔" نسیم نے کہا۔ "یہ تو ایک عام سی بات ہے۔"

"نہیں، عام سی بات نہیں ہے۔" عنبر نے کہا۔ "پالتو جانور کبھی کبھار گُم ہوتے ہیں۔ اس طرح قطار بنا کے گُم نہیں ہوتے۔"

"ہاں، واقعی یہ بات عجیب سی لگتی ہے۔" نسیم نے کہا۔ "عاقب! یہ خبریں کس شہر کی تھیں؟"

عاقِب نے ریڈیو کے ڈائل کی طرف دیکھا اور کہا۔ "خان گڑھ کی۔"

"ہاں، یہی کوئی سو سوا سو کلومیٹر ہو گا۔۔۔ بڑا اچھا شہر ہے۔ ہمارے شاداب نگر کی طرح سمندر کے کنارے ہے۔ میں ایک بار اپنے ابّو کے ساتھ چچا کے۔۔۔" نسیم نے بات ادھوری ہی چھوڑ دی تھی کیونکہ اُسی لمحے ہیڈ کوارٹر میں لگے ہوئے ٹیلے فون کی گھنٹی بج اُٹھی۔

"ہیلو! تین سُراغ رساں۔" عنبر نے ریسیور اُٹھاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"ہیلو! میں خان گڑھ سے جمال بول رہا ہوں۔ نسیم کا چچا۔"

"السّلام علیکم "عنبر نے سلام کیا۔ "چچا جان! بڑی حیرت کی بات ہے! ابھی ابھی نسیم ذکر کر رہا تھا کہ ایک بار وہ ابّو کے ساتھ آپ کے پاس۔۔۔۔"

ننّھے سُراغ رساں نمبر ایک یعنی عنبر نے ہیڈ کوارٹر میں لگے ہوئے ٹیلے فون کے ساتھ ریڈیو کے دو سپیکر اس انداز سے لگا رکھے تھے کہ دوسری طرف سے آنے والی آواز کو باقی دو سُراغ رساں بھی سُن سکتے تھے۔

"آپ نسیم سے بات کرنا چاہتے ہیں؟" عنبر نے پوچھا۔

"میں تینوں ننّھے سُراغ رسانوں سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا ہمارے لیے کوئی کیس ہے؟" عنبر نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ پوچھا۔

"ہاں، کیس کہہ بھی سکتے ہو۔ بھئی، کل ہمارے ایک بڑے اچھّے دوست کی ایک شے گُم ہو گئی ہے، اور وہ اُس کی تلاش میں تُم سے مدد حاصل کرنا چاہتا

ہے۔ صُبح ہی اُس سے میں نے تمہارے بارے میں ذکر کیا تھا اور وہ کہنے لگا کہ میں تمہیں ٹیلی فون کر کے کہوں کہ تم لوگ یہاں آ کر اس کا گمشدہ۔۔۔"

"کُتّا تلاش کر دو!" عنبر نے فقرہ پورا کر دیا۔ دُوسری طرف ایک لمحے کے لیے خاموشی رہی اور پھر گویا بم پھٹ گیا۔ "اوہ وہ وہ! میں نے ابھی بتایا بھی نہیں اور تم نے پہلے ہی بوجھ لیا کہ اُس کا کتّا گُم ہوا ہے! یہ تُم نے کیسے بوجھ لیا؟"

"یہ ہمارا راز ہے۔ تجارتی راز!" عنبر نے ہنس کر کہا۔

"ہاں، تو میرے دوست انور کو شاید تُم لوگ نہیں جانتے اور شاید جانتے بھی ہو۔۔۔ آج سے بیس سال پہلے یعنی تمہاری پیدائش سے بھی پہلے، وہ ایک مشہور فلم ڈائریکٹر تھا۔ مسئلہ یہ ہے کہ اُس کا کتّا گُم ہو گیا ہے۔ مجھے یہ ایک عام سا کیس نہیں لگتا۔"

"ویسے تو کوئی کیس بھی عام نہیں ہوتا، انکل" عنبر نے کہا۔ "لیکن کیا میں

پوچھ سکتا ہوں کہ آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟"

"اس لیے کہ جس کیس میں سمندری بلا کا ذکر بھی آتا ہو وہ یقیناً کوئی عام کیس نہیں ہو گا!" جمال نے کہا۔

خفیہ ہیڈ کوارٹر میں ایک دو لمحوں کے لیے مکمل خاموشی چھا گئی۔ اتنی خاموشی کہ سُراغ رسانوں کے سانس لینے کی آواز ٹیلی فون پر خان گڑھ تک جا رہی تھی۔

آخر کار عنبر نے تھُوک نگلتے ہوئے کہا۔ "سمندری بلا؟"

"ہاں بیٹے، سمندری بلا! میرے دوست انور کا گھر سمندر کے کنارے ہے اور اس گھر کے نیچے چند غار ہیں۔ خان گڑھ اُونچا نیچا پہاڑی علاقہ ہے۔ کل رات جب انور کا کتّا گُم ہوا اور انور کا کہنا ہے کہ اس نے ایک بہت بڑی سمندری بلا کو سمندر میں سے نکل کر ایک غار میں داخل ہوتے دیکھا تھا؟"

تینوں سُراغ رساں پھر چُپ ہو گئے۔

”بولو بھئی! کیا تُم لوگ اس کتّے کی گُم شُدگی کی گُتھّی سُلجھانے کو تیّار ہو؟“

”جج۔۔۔جج۔۔۔جی ہاں۔ ہم بالکل تیّار ہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”مجھے یُوں لگتا ہے کہ یہ ہمارا سب سے زیادہ دِل چسپ کیس ہو گا۔ آپ مجھے انور صاحب کا پتا لکھوا دیجیے۔“

عنبر نے جھٹ پٹ انور صاحب کا پتا لکھ لیا اور جمال انکل سے وعدہ کیا اُنہیں کیس کے بارے میں پھر ٹیلے فون کرے گا۔ اس کے بعد وہ فخریہ انداز سے نسیم اور عاقب کی طرف دیکھنے لگا۔

”ذرا سوچو تو سہی، سمندری بلا کے بارے میں تفتیش کرنے میں کتنا مزا آئے گا؟“

نسیم نے مُنہ لٹکا لیا۔ عاقِب نے کندھے اُچکا دیے۔

”تم دونوں میری بات سے متّفق نہیں ہو؟“ عنبر نے پوچھا۔

”تُم نے ایک غَلَطی کی ہے۔“ نسیم نے کہا۔ ”تُم نے کہا ہے کہ یہ کیس ہمارا

سب سے زیادہ دِل چسپ کیس ہو گا۔"

"ہُوں!" عنبر نے کہا۔ "کیا تمہارے خیال میں مَیں نے غَلَط کہا؟"

"ہاں، اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو یہ کہتا کہ یہ ہمارا آخری کیس ہو گا!"

کتّوں کا دُشمن

خان گڑھ کا قصبہ شاداب نگر سے ایک سو پندرہ کلومیٹر کے فاصلے پر، سمندر کے کنارے، آباد تھا۔ اور خاصا بڑا تھا۔ اصل آبادی سمندر سے ذرا ہٹ کر تھی۔ آدمیوں نے سمندر کے نزدیک کوٹھیاں بنا رکھی تھیں۔ سمندر کا ساحل کٹا پھٹا اور اُونچا نیچا تھا اور بعض جگہ پر پہاڑیوں میں غار بھی تھے۔ جمال انکل کے دوست انور کا مکان یہیں پر تھا۔

عنبر، نسیم اور عاقِب اگلے دِن ناشتے کے بعد، خان گڑھ روانہ ہو گئے۔

اُنہوں نے شام ہی کِنگ موٹر کمپنی کو ٹیلے فون کر دیا تھا کہ صُبح اُٹھیں مرسیڈیز کار کی ضرورت ہے۔ چنانچہ خوب صُورت وردی میں ملبوس لمبا تڑنگا اللہ داد صُبح ہی صُبح مرسیڈیز لے کر کریم انٹر پرائز کے باہر پہنچ گیا اور عنبر کے خالو کریم صاحب سے کہا کہ وہ اُس کے آنے کی اِطّلاع تینوں دوستوں کو دے دیں۔

اب مرسیڈیز کار پوری رفتار سے خان گڑھ کی طرف جا رہی تھی۔ تینوں سُراغ رساں کار کی پچھلی نشست پر بیٹھے تھے۔

"عاقِب، تُم نے شام سمندری بلا کے بارے میں کیا معلومات حاصل کیں؟" عنبر نے کہا۔ "شروع ہو جاؤ۔"

"جو معلُومات مُجھے حاصل ہوئی ہیں اُن کے مطابق سمندری بلا کا کوئی وجود نہیں۔ یہ نام محض کہانیوں اور قصّوں میں پایا جاتا ہے۔ البتّہ اب سے لاکھوں سال پہلے اِس قسم کا کوئی جانور پایا جاتا تھا۔ کہانیوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ سمندری بلا ایک موٹے تازے اژدہے کی طرح تھی اور اُس کے

ماتھے پر دو چمکدار آنکھیں ہوتی تھیں۔ جب یہ پھنکارتی تھی تو اُس کے مُنہ سے شُعلے نکلتے تھے اور جب سانس لیتی تھی تو دھوئیں کے مرغولے مُنہ اور ناک سے نکلتے تھے۔" عاقب نے جیب میں سے ایک نوٹ بُک نکال کر اُسے پڑھتے ہوئے کہا۔ "یہ ساری معلُومات میں نے شام پبلک لائبریری میں جاکر حاصل کی ہیں۔"

"ایک بات تُم نے نہیں بتائی۔" نسیم نے کہا۔ "یہ سمندری بلا انسان کی دوست نہیں ہوتی؟"

"میں یہ بھی بتا دیا لیکن عنبر کو تو صرف کتابی قسم کی باتوں سے دل چسپی ہے۔ اور کتابوں میں محض یہ لکھا ہے کہ یہ صرف فرضی جانور ہے۔"

"اور فرضی جانور انسان کا دُشمن بھی ہو تو بھی اُسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔" عاقب نے کہا۔

"لہٰذا تُمھیں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" عنبر بولا۔

”لیکن عنبر!“ نسیم نے ہاتھ ہوا میں لہراتے ہوئے کہا۔ ”اگر سمندری بلا فرضی جانور ہے تو ہم خان گڑھ کیا کرنے جا رہے ہیں اور انکل جمال کے دوست انور صاحب نے غار میں کس چیز کو داخل ہوتے دیکھا تھا؟“

”یہ تو ہم خان گڑھ جا کر حالات کا جائزہ لینے کے بعد ہی بتا سکتے ہیں کہ انور صاحب نے کیا دیکھا تھا۔ اب اصل مسئلہ اُن کے گُم شدہ کتّے کی تلاش ہے۔“

”اور ساتھ میں ذرا سی سمندری بلا بھی۔“ عاقِب نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”میں تو کہتا ہوں کہ واپس شاداب نگر چلو۔“ نسیم نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔ اُس نے آخری تین چار الفاظ ذرا زور سے کہے تھے، چنانچہ اللہ داد نے کار کی رفتار کم کر کے پوچھا ”کیا کہا آپ نے، واپس چلوں؟“

”نہیں، بھئی۔“ عنبر نے کہا۔ ”ہمیں خان گڑھ ہی جانا ہے۔ نسیم تو مذاق کر رہا تھا۔“ اللہ داد نے کار کی رفتار پھر بڑھا دی۔

جلد ہی وہ خان گڑھ پہنچ گئے۔ جمال انکل نے انور صاحب کا پورا پتا عنبر کو بتا دیا تھا، اِس لیے ننّھے سُراغ رسانوں کو اُن کا گھر تلاش کرنے میں کوئی خاص دقّت پیش نہ آئی۔

"ہمیں یہاں کچھ دیر لگے گی۔ تُم چاہو تو شہر کا چکّر لگا لو۔" عنبر نے اللہ داد سے کہا۔

"اچھّا۔ کتنی دیر تک آ جاؤں؟" اللہ داد نے پوچھا۔

"یہی کوئی ایک گھنٹے تک۔"

"ٹھیک ہے۔" اللہ داد نے کہا اور شہر کی طرف چلا گیا۔

جس سڑک پر انور صاحب کا مکان تھا، وہ شہر سے باہر، ساحلِ سمندر سے کچھ فاصلے پر تھی اور یہاں بڑے اچھے مکانات تھے۔

دو چار گھروں کے بعد انور صاحب کا مکان تھا۔ عنبر نے گھنٹی کا بٹن دبایا تو چند لمحوں بعد ایک سفید بالوں والے شخص نے دوسری منزل سے جھانک

کر دیکھا اور لڑکوں کو مکان کے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

جب وہ تینوں مکان کے اندر داخل ہوئے تو وہ شخص زینہ اُتر کر نیچے آ چکا تھا۔ "میرا خیال ہے کہ تُم لوگ شاداب نگر سے آئے ہو؟"

"آپ نے صحیح فرمایا۔" عنبر نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "ہمیں جمال صاحب نے بھیجا ہے۔"

"میرا ہی نام انور ہے۔ اِدھر آؤ۔ بیٹھک میں بیٹھتے ہیں۔" انور نے ایک کمرے کے اندر جاتے ہوئے کہا۔ عنبر، نسیم اور عاقب بھی اُن کے پیچھے پیچھے اندر چلے گئے۔ یہ ایک بڑا سا کمرا تھا جس میں دیواروں پر پُرانے ایکٹروں اور ایکٹریسوں کی بڑی بڑی تصویریں سجی ہوئی تھیں۔ ایک کونے میں بڑے میز پر کچھ انعامات اور ٹرافیاں رکھی تھیں۔

"جمال میاں نے تمھیں بتایا ہو گا کہ میرا کتّا ٹامی گُم ہو گیا ہے۔"

"جی ہاں، ہم اِسی سلسلے میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ کے کتّے کے علاوہ پانچ

اور کتّے پچھلے ایک ہفتے میں گُم ہو چکے ہیں۔" عنبر نے کہا۔

"ہاں، میں نے کل ریڈیو کی خبروں میں سُنا تھا۔"

"آپ نے اپنے کتّے کی گُم شدگی کے بارے میں پولیس کو اطلاع دی؟"

"نہیں۔ اور اس کی ایک وجہ ہے۔"

"اور وہ یہ کہ آپ نے اُسی شام ایک سمندری بلا کو کسی غار میں گھُستے دیکھا تھا؟"

"ہاں۔" انور نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "جمال نے تمھیں بتایا ہو گا کہ میں فِلمیں بناتا رہا ہوں۔"

"جی ہاں۔" عنبر نے کہا۔ "اُنھوں نے ہمیں بتایا تھا کہ آپ فلم ڈائریکٹر ہیں۔"

"ہوں نہیں، تھا۔" انور نے کہا۔ "تم لوگوں کی پیدائش سے پہلے میں فلمیں بنایا کرتا تھا۔ اور خوب چلتی تھیں میری فلمیں۔"

”ایک منٹ، جناب۔“عنبر نے آنکھیں جھپکاتے ہوئے کہا۔”مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے آپ کی کوئی فلم دیکھی ہے۔ ہاں، یاد آیا۔ اس کا نام تھا، مرّیخ کا حملہ۔ ایک بار ہمارے سکول میں سائنس کی نمائش لگی تھی، اُس میں یہ فلم دکھائی گئی تھی۔“

”ہاں، وہ فلم میں نے ہی بنائی تھی۔“ انور نے کہا۔”میں اِسی قسم کی فلمیں بنایا کرتا تھا۔ خلائی سفر کی، بڑے بڑے فرضی جانوروں کی۔“

”اور سمندری بلاؤں کی؟“عنبر نے چونکتے ہوئے کہا۔

”ہاں، یہی میرا پسندیدہ موضوع تھا۔“ انور نے کہا۔”میں لوگوں کو ڈرانے اور حیران کرنے والی فلمیں بنایا کرتا تھا۔“

”اور اسی لیے آپ نے اپنے کتّے کی چوری کا کیس پولیس کو نہیں دیا۔“ عاقب نے کہا۔”اگر آپ پولیس کو اِطّلاع کرتے تو آپ کو یہ بھی بتانا پڑتا کہ آپ نے شام ایک سمندری بلا کو اپنے گھر کے پاس ایک غار میں داخل ہوتے دیکھا تھا؟“

"تُم لوگ بڑے سمجھ دار ہو۔ میں نے اسی لیے پولیس کے بجائے تم سے مدد لینا مناسب سمجھا۔ اگر میری زبان سے سمندری بلا کا قصّہ نِکلتا تو فِلمی اخباروں اور رسالوں والے اس قصّے کو لے اُڑتے اور بات کا بتنگڑ بنا دیتے۔ تب لوگ شاید یہ سمجھتے کہ میں سستی شہرت حاصل کرنا چاہتا ہوں، یا دوبارہ فلموں میں آنا چاہتا ہوں۔ اور ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ میرا مذاق اُڑاتے اور کہتے کہ سمندری بلائیں اور خوف ناک چمگادڑوں کی فلمیں بنا بنا کے مجھے سچ مُچ سمندری بلائیں نظر آنے لگی ہیں۔" یہ کہہ کر انور نے جیب سے رومال نکالا اور اُس سے ناک صاف کر کے بولا۔ "میں اچھی بھلی آرام کی زندگی بسر کر رہا تھا کہ اچانک یہ۔۔۔ یہ سمندری بلا نہ جانے کہاں سے آ ٹپکی!"

"تو اب آپ کا خیال ہے کہ وہ سمندری بلا سچ مُچ آپ کے گھر کے پاس ایک غار میں موجود ہو گی؟" عنبر نے کہا۔

"ہاں، اُسے وہیں ہونا چاہیے۔ مگر نہیں۔ ہو سکتا ہے وہ واپس سمندر میں

چلی گئی ہو۔ ظاہر ہے کہ اُسے دیکھنے کے بعد میرے دل میں کچھ ایسا خوف سا پیدا ہوا کہ میں نے اپنے گھر کی تمام کھڑکیاں اور دروازے بند کر دیے۔ اگرچہ اب میں سوچتا ہوں تو مجھے ہنسی آتی ہے کہ میں اتنا کیوں ڈرا۔ پھر بھی اس وقت میں ڈر گیا اور اب تک میں نے دوبارہ اُدھر نہیں دیکھا۔"

"آپ مہربانی کر کے ہمیں پوری تفصیل بتائیے۔ ہو سکتا ہے ہمیں کوئی نہ کوئی سُراغ مل جائے۔" عنبر نے کہا۔ "خاص طور پر ہم لوگ سمندری بلا کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتے ہیں۔"

"اس سمندری بلا کے ماتھے پر دو آنکھیں تھیں، منہ میں باریک باریک دانت تھے جو دور سے بھی صاف نظر آ رہے تھے اور دانتوں کے دونوں قطاروں کے درمیان اژدہے کے پھن جیسی زبان تھی۔ دراصل مجھے یہ سب کچھ تُم لوگوں کو بتاتے ہوئے شرم سی محسوس ہو رہی ہے کیونکہ میں یہ جانتا ہوں کہ سمندری بلا نام کا کوئی جانور دنیا میں موجود نہیں۔ پھر بھی میں نے اُسے دیکھا۔ یہ سمندری بلا بالکل ایسی ہی تھی جس قسم کی میں

فلموں کے لیے بنوایا کرتا تھا۔ مگر ایک بات اس کی مختلف تھی۔“

”وہ کیا؟“

”اس کی آواز۔ اب مجھے یاد آرہا ہے کہ اُس کے اندر سے آواز بھی آرہی تھی۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ وہ سمندری بلا بول بھی رہی تھی۔ اور یہ آواز اُس آواز سے بالکل مختلف تھی جو ہم اپنی فلموں میں لوگوں کو ڈرانے کے لیے سمندری بلاؤں سے بُلوایا کرتے تھے۔ ہم سمندری بلا کے لیے ریل کے انجن کی آواز اور تیز آواز کی سیٹی کو ملا جلا دیا کرتے تھے۔ اس سے ایک بڑی خوف ناک آواز پیدا ہوئی تھی اور لوگ خوف زدہ ہو جاتے تھے۔ لیکن اِس سمندری بلا کی آواز! اُف میرے اللہ! وہ واقعی بڑی خون ناک آواز تھی! ایسی جیسے دو تین بڑے بڑے پہلوان زور زور سے ہانپ رہے ہوں اور ساتھ ہی کھانس بھی رہے ہوں۔ یوں لگتا تھا جیسے سمندری بلا کھانس رہی تھی۔“

”ٹھیک ہے۔“ عنبر نے کہا۔ وہ کافی دیر سے دائیں ہاتھ کی اُنگلیوں سے اپنا

نِچلا ہونٹ مسل رہا تھا۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ اُس کا دماغ کچھ سوچنے میں مصروف ہے۔

"اب آپ یہ فرمایئے کہ آپ کے مکان کے پاس جو غار ہے، وہ کتنا بڑا ہے۔ اور کیا آپ نے کبھی اُسے دیکھا ہے؟"

"دراصل یہ ایک غار نہیں۔"

"پھر کیا ہے؟" عنبر نے حیرت سے پوچھا۔

"غاروں کا ایک سلسلہ ہے جو پورے سمندر کے ساتھ ساتھ ساحلی علاقے میں پھیلا ہوا ہے۔ باقی رہی دیکھنے کی بات، تو میں نے کبھی یہ غار نہیں دیکھے۔"

"ہُوں اُوں اُوں اُوں۔" عنبر نے ہونٹ مسلتے ہوئے کہا۔ "آپ کتنے عرصے سے یہاں رہ رہے ہیں؟"

"پندرہ سال سے۔" انور نے کہا۔ "فلمی کاروبار چھوڑنے کے بعد میں نے

یہاں مکان بنالیا تھا۔"

"اور اِس پورے عرصے میں پہلے کبھی آپ نے سمندری بلا نہیں دیکھی؟"

"توبہ کرو!" انور نے کہا۔ "بھئی، سمندری بلا ہوتی ہی کب ہے جو میں کبھی دیکھتا۔ یہ پہلا موقع ہے کہ ماننا پڑ رہا ہے کہ میں نے پرسوں شام سمندری بلا دیکھی تھی۔" انور نے ایک لمحے کے لیے رُک کر سانس لیا اور پھر بولا۔ "اور یہ بھی اپنے کتّے ٹامی کے باعث۔ نہ وہ گُم ہوتا اور نہ میں سمندری بلا دیکھتا۔"

"اچھّا، آپ اپنے کتّے کے بارے میں ہمیں کچھ بتایئے۔" عنبر نے کہا۔

"میں پچھلے دو ماہ سے ملک سے باہر گیا ہوا تھا سیر و تفریح کے لیے۔۔۔ اور ٹامی بھی میرے ساتھ تھا۔ ابھی کوئی ایک ہفتہ پہلے واپس آیا اور آنے کے چار پانچ دِن بعد ٹامی غائب ہو گیا۔"

"ٹامی کتنا بڑا ہے؟"

”خاصا بڑا اور خوب صورت کتّا ہے۔“ انور نے کہا۔ ”اور مجھے اس سے بہت محبّت ہے۔ میں اُس کے بغیر خود کو تنہا تنہا محسوس کرتا ہوں۔ اب یہ سارا معاملہ تم لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔“

”آپ فکر نہ کریں۔ اللہ نے چاہا تو ہم آپ کے کتّے کو ڈھونڈ نکالیں گے اور کھانسنے والی سمندری بلا کا پتا بھی چلائیں گے۔“ عنبر نے کہا۔

”میری دعائیں تمھارے ساتھ ہیں۔“ انور بولا۔ ”بس، ایک بات اور۔“ عنبر اُٹھتے ہوئے بولا۔ ”کیا؟“

”کیا آپ نے کتّے کی گُم شُدگی کے بارے میں اور لوگوں سے بھی بات چیت کی ہے؟ اُن لوگوں سے جِن کے کتّے آپ کے کتّے سے پہلے گُم ہو چکے ہیں؟“

”نہیں۔ میں نے کسی سے کوئی بات چیت نہیں کی۔ میں اِس کا ذکر کر کے مذاق کا نشانہ نہیں بننا چاہتا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ مجھے صرف اتنا پتا ہے کہ میرے برابر والے اور سامنے والے پڑوسی دونوں کے پاس کتّا نہیں

ہے۔ باقی لوگوں کا پتا ہی نہیں کہ اُنھوں نے کتّے پالے ہوئے ہیں یا نہیں۔"

"آپ کے ان دونوں پڑوسیوں کے نام کیا ہیں؟" عنبر نے پوچھا۔

"برابر والے پڑوسی کا نام ہے شاہین، اور سامنے والے پڑوسی کا نام قدیر ہے۔"

تینوں ننّھے سُراغ رسانوں نے انور صاحب سے اجازت چاہی اور باہر نکل آئے۔

"آخر اِن پڑوسیوں کا نام جاننا کیا ضروری تھا؟" نسیم نے جھنجھلّاتے ہوئے کہا۔

"ضروری تھا۔" عنبر نے کہا۔ "میں اِن دونوں سے مل کر یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آخر ان آدمیوں نے کتّے کیوں نہیں پالے؟ یہ جگہ تو شہر کے آخر میں ہے اور ایسی جگہ بہت سے لوگ کتّے پالنا پسند کرتے ہیں۔ یہاں جو لوگ

کتّے نہ پائیں، اُن کے پاس یقیناً اِس بات کی کوئی خاص وجہ ضرور ہو گی۔"

سب سے پہلے اِن لوگوں نے سڑک عبور کی اور سامنے والے پڑوسی کے گیٹ پر پہنچے۔ گیٹ کھُلا ہوا تھا اور اُس کے اندر بڑا خوب صورت لان نظر آ رہا تھا۔ لان کے بعد عمارت تھی۔ دروازے پر پہنچ کر عنبر نے گھنٹی بجائی تو ایک بھاری بھر کم آدمی نے دروازہ کھولا اور بُلند آواز سے پوچھا۔ "تم لوگ کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

"معاف کیجئے، جناب۔" عنبر نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "ہم ابھی ابھی آپ کے پڑوسی جناب انور صاحب سے مل کر آرہے ہیں۔"

"تو میں کیا کروں؟" بھاری بھر کم آدمی نے دہاڑ کر پوچھا۔

نسیم تو سہم کر عنبر کے پیچھے ہو گیا اور عاقِب نے اپنا رُخ لان کی طرف کر لیا۔ عنبر بھی ایک دفعہ کو گڑبڑا سا گیا۔ "وہ۔۔۔ وہ۔۔۔۔ میں یہ جاننے کے لیے، آپ کے پاس آیا تھا کہ اگر آپ کو انور صاحب کے کتّے کے بارے میں کچھ معلوم ہو تو۔۔۔" عنبر نے فقرہ جان بوجھ کر ادھورا چھوڑ

دیا۔

"اچھّا۔" بھاری بھر کم آدمی کے چہرے پر خوشی کے آثار پیدا ہوئے۔ "یہ تو بڑا اچھا ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ دنیا میں کتّوں کا وجود ہی نہیں رہنا چاہیے۔ مجھے کتّوں کے نام سے ہی نفرت ہے۔ سخت نفرت۔ سمجھے؟"

"جناب قدیر صاحب، کیا آپ کی اِس نفرت کی کوئی خاص وجہ ہے؟" عنبر نے بڑی بہادری سے پوچھا۔

"خاص وجہ کیا ہوتی۔" قدیر نے تقریباً چیخنے ہوئے کہا۔ "ارے بھائی، اچھے بھلے آدمیوں کو کاٹ کھاتے ہیں۔ اچھے بھلے لان کو روند ڈالتے ہیں۔ اچھّی بھلی کیاریوں کو اُجاڑ دیتے ہیں۔ اور کیا وجہ چاہیے نفرت کی؟" قدیر کا منہ غصّے کے مارے سُرخ ہو رہا تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ کتّے آپ کو پریشان کرتے ہیں۔" عنبر نے کہا۔ "لیکن اگر انور صاحب کے کتّے نے کبھی آپ کا کوئی نقصان کیا ہو تو وہ آپ کو اس کا ہرجانہ دے دیں گے۔ وہ بہت اچھّے آدمی ہیں اور اگر اُن کا

کتّا۔۔۔۔"

"اُن کا کتّا۔۔۔۔؟" قدیر فقرہ ادھورا چھوڑ کر اندر چلا گیا اور چند لمحوں بعد جب وہ باہر آیا تو اس کے ہاتھ میں دو نالی بندوق تھی۔ "اگر اب اُن کا کتّا مجھے نظر آیا تو میں اُسے گولی سے اُڑا دوں گا۔"

یہ کہہ کر اُس نے بندوق ننّھے سُراغ رسانوں کی طرف تان لی۔

پُراسرار گھر

”میں بہت اچھّا نشانہ باز ہوں، اور میرا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا۔“ قدیر نے گرج دار آواز سے کہا۔ ”اب بولو، اور بھی کچھ پوچھنا ہے تمہیں؟“

قدیر کی آواز اور اس کا لہجہ کچھ ایسا خُون ناک تھا کہ نسیم کا رنگ پھیکا پڑ گیا اور عاقب بھی لرزنے لگا۔ مگر عنبر کے چہرے پر خوف کی پرچھائیں تک نہ تھی۔ اُس نے اطمینان سے کہا۔

”نہیں جناب، اور کچھ نہیں پوچھنا ہیں۔ اگر ہمارے یہاں آنے سے آپ کو

کسی قسم کی تکلیف پہنچی ہے تو ہم اُس کے لیے معافی چاہتے ہیں۔“

یہ کہتے ہوئے عنبر مُڑا اور عاقِب اور نسیم اُس کے پیچھے پیچھے بُت کی طرح چل پڑے۔ چند قدم چل کر نسیم تقریباً بھاگنے لگا اور عاقب نے بھی تیز تیز چلنا شروع کر دیا۔ عنبر نے ذرا آگے جا کر آہستہ سے کہا۔ ”بھاگو نہیں، اطمینان سے چلو۔“ نیم اور عاقب نے سر ہلا دیا، مگر انہیں نہ جانے کیوں یُوں لگ رہا تھا جیسے قدیر ابھی اُن پر گولی چلا دے گا۔ بہر حال، عنبر کے اشارے پر اُنھوں نے رفتار کم کر دی۔

کھڑاک! اچانک اُنہیں پیچھے سے زور دار آواز آئی اور وہ تینوں ایک دم پلٹ کر دیکھنے لگے۔

”اوہ!“ عنبر نے حیرت سے کہا۔ ”دروازہ بند کیا ہے، قدیر صاحب نے۔ توبہ!“

عاقِب اور نسیم تیز تیز چل کر نکل گئے۔ سڑک پر آ کر عاقِب نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ”بال بال بچے!“

"ہاں بھئی، توبہ ہے! ایک تو دونالی بندوق اور اوپر سے بھری ہوئی۔ مجھے تو دروازہ بند ہونے پر یوں لگا جیسے اس نے ہم لوگوں پر گولی چلا دی ہو! توبہ ہے! کتنا خون ناک تھا یہ شخص!"

"نہیں، گولی وولی اُسے نہیں چلانا تھی۔ وہ تو صرف کتّوں سے اپنی نفرت کا اظہار کر رہا تھا۔ اتّفاق سے سے اُسے دنیا بھر میں صرف ایک چیز ناپسند ہے اور ہم نے اُسی کا ذکر کر کے اُسے ناراض کر دیا۔" عنبر نے کہا۔ "لیکن عنبر، بندوق تو بھری ہوئی تھی نا؟" نسیم نے ماتھے سے پسینا پونچھتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ گھوڑا دبا دیتا تو ہم تو گئے تھے کام سے!"

"تم نے ایک چیز نہیں دیکھی۔ بندوق کا سیفٹی کیچ بند تھا۔" عنبر نے اطمینان سے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ!" نسیم نے اِس انداز میں کہا جیسے گیس بھرے غُبارے کی ہوا نکل جائے اور وہ زمین پر آگرے۔ "تبھی تم اتنے اطمینان سے باتیں کر رہے تھے!"

”بہر حال، ایک بات ضرور ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”جب ہم قدیر صاحب سے دوبارہ ملیں گے تو احتیاط کرنا ہو گی۔

”جناب، ہمیں نہیں، صرف تمہیں احتیاط کرنا ہو گی۔ میں دوبارہ اِس خون ناک شے کے پاس نہیں جاؤں گا۔ میری کھال بہت نازک ہے اور خاص طور پر بندوق کی گولی تو میری کھال کے لیے بہت ہی نقصان دہ ہے۔“ نسیم نے بڑا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

”میری کھال بھی بُہت نازک ہے اور صرف پانی کے پستول کا وار پسند کرتی ہے۔“ عاقب نے کہا۔ ”قدیر ایک اچھا اداکار بھی تو ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ ساری کارگزاری اس نے ہم لوگوں کو ڈرانے کے لیے کی ہو اور حقیقت میں کتّوں کی گُم شدگی میں اس کا ہاتھ ہو۔“ عنبر نے کہا۔ ”اور اگر یہ بات سچ ہے تو ہمیں اُس سے ایک بار تو ملنا ہی پڑے گا۔“

”ہاں، اب تم کہتے ہو تو یہ بات ضروری سی معلُوم ہوتی ہے۔“ نسیم نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اس کے علاوہ ہمیں ابھی شاہین سے بھی ملنا ہے۔ اُس سے مل کر ہم اندازہ لگا سکیں گے کہ قدیر کی حرکتوں میں کتنا سچ تھا اور کتنی بناوٹ۔" عنبر بولا۔

"تو گویا ابھی ہمیں شاہین سے بھی ملنا ہے؟" عاقِب نے کہا۔

نسیم شاہین کے دروازے کے سامنے پہنچ کر بولا۔ "کوئی بات نہیں۔ اِن صاحب کے دروازے پر کوئی توپ نہیں لگی ہے، اس لیے ہم ان سے ملاقات کریں تو کوئی حرج نہیں۔"

"مگر اِن کی کوٹھی کا گیٹ تو بند ہے اور کوئی گھنٹی وغیرہ بھی نظر نہیں آ رہی؟" عاقب نے ذرا آگے بڑھ کر کہا۔ "تو کیا ہوا۔" عنبر آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "ہم دروازے پر دستک دے لیں گے۔ کوئی نہ کوئی تو آ کر دروازہ کھو۔۔۔!"

اُس کا فقرہ درمیان ہی میں رہ گیا کیونکہ اس کے آگے بڑھتے ہی دروازہ خود بخود کھُل گیا تھا۔

"ارے!! حیرت سے سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ "یہ کیا؟" نسیم نے پوچھا۔ "یوں لگتا ہے جیسے یہ جادُو کا دروازہ ہو جو ہمیں آتا دیکھ کر کھُل گیا ہو۔"

"ہاں، یہ دروازہ جادُو کا ہی ہے۔" عنبر نے کہا۔ "مگر یہ جادُو سائنس کا ہے۔ کراچی میں بعض بڑی عمارتوں میں اس قسم کے دروازے لگے ہوئے ہیں۔ ان میں جادُو کی ایک آنکھ لگی ہوتی ہے۔ جب آدمی اس کے سامنے آتا تو یہ آنکھ خود بخود دروازہ کھول دیتی ہے۔"

"شاہین صاحب سائنس دان معلوم ہوتے ہیں۔" عاقِب نے کہا "ورنہ خان گڑھ جیسے شہر میں اِس جادُو کے دروازے کی کوئی خاص ضرورت تو نہ تھی۔"

"ہاں، ہو سکتا ہے کہ اُنہیں سائنس سے دل چسپی ہو۔" عنبر نے کہا۔ "اور یہ بات اچھی ہی ہے۔ کم از کم وہ قدیر صاحب کی طرح ہم لوگوں کو خوف زدہ نہیں کریں گے، اور ہر بات کا سائنسی انداز میں جواب دیں گے۔"

"تب تو وہ سمندری بلا کے بارے میں بہتر طور پر بتا سکیں گے۔" نسیم نے کہا۔

اب وہ کوٹھی کے دروازے میں داخل ہو کر لان میں سے گزر رہے تھے۔ ایک کیاری کے پاس گھاس کے ایک بڑے سے پلاٹ میں ایک دھوپ گھڑی بنی ہوئی تھی اور سُراغ رسانوں سے ذرا ہٹ کر بائیں جانب پھولوں سے لدا پھندا ایک بڑا سا پنجرا، شاید کسی درخت کی شاخ میں لٹکا ہوا تھا۔ یہ پنجرا بے پیندے کا تھا۔

"یوں لگتا ہے کہ شاہین صاحب نے اپنے گھر میں عجیب سی فضا پیدا کر رکھی ہے۔" نسیم نے کہا۔

"ہاں، الف لیلہ اور موجودہ زمانے کی مِلی جُلی سی فضا اُنہوں نے پَے۔۔۔۔۔"

عنبر کا فقرہ ادھورا ہی رہ گیا کیونکہ عنبر نسیم اور عاقِب پھولوں سے لدے اُس بے پیندے کے پنجرے کو دیکھ ہی رہے تھے کہ اُسی لمحے یہ پنجرا اُن

لوگوں پر آگرا اور وہ تینوں اس کے اندر قید ہو گئے۔

"یہ۔۔۔ یہ۔۔۔۔۔ کیا؟" نسیم ہکلایا۔

"میرا خیال ہے یہ شاہین صاحب کا سائنسی مذاق ہے۔" عنبر نے مُسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "مگر یہ ہے کیا بلا؟" عاقب نے جھنجھلاہٹ یہ ایک کہا۔

"یہ۔۔۔ یہ ایک جنگلا ہے۔ اِس قسم کا جنگلا پُرانے زمانے میں قلعوں کے اندر بادشاہوں کی خواب گاہ کے باہر، خندق کے، اندر لگایا جاتا تھا۔ اگر کوئی دُشمن خندق پار کر لیتا اور بادشاہ کی خواب گاہ میں داخل ہونا چاہتا تو یہ جنگلا اُسے قید کر لیتا تھا۔"

"لیکن جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، ہم نے تو کوئی بھی خندق پار نہیں کی؟" نسیم نے کہا۔

"اور نہ ہم نے شاہین صاحب کے حضور میں کوئی گُستاخی ہی کی ہے!"

عاقب نے کہا۔

"اُسی لمحے پھول اور پتّے سر سرائے اور جنگلا پھر سے اُوپر اُٹھ کر ہوا میں لٹک گیا۔ تینوں ننّھے سُراغ رساں جلدی سے آگے بڑھ گئے۔

"میرا خیال ہے، شاہین صاحب خوش مزاج آدمی ہیں۔" عنبر نے کہا۔
"اور یہ اُن کا مذاق تھا۔"

"ہوں گے خوش مزاج۔" نسیم نے کہا۔ "اپنا تو خُون سکھا دیا اُنہوں نے۔ نا بابا، مُجھے تو ایسا مذاق بالکل پسند نہیں۔" وہ ایک لمحے کو رُکا اور پھر بولا۔ "میری مانو تو یہاں سے بھاگ چلو۔ نہ جانے اور کون سا خوف ناک مذاق ہمارا انتظار کر رہا ہو!"

"نہیں، ہم شاہین صاحب سے مل کر ہی جائیں گے۔" عنبر نے کہا۔ "مجھے تو وہ خوش مزاج لگتے ہیں۔"

اب وہ عمارت کے دروازے پر پہنچ چکے تھے۔ عنبر نے دروازے پر لگی

ہوئی بجلی کی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ ”اوے ہوئے!“ اچانک عنبر نے ہاتھ زور سے ہلایا۔

”یہ کیا مزا لے رہے ہو؟“ نسیم نے کہا۔

”مزا؟“ عنبر نے کہا۔ ”مجھے بجلی کا جھٹکا لگا ہے؟“

”پھر آؤ، واپس چلیں۔“ عاقِب نے کہا۔ ”میرا خیال ہے، شاہین صاحب کسی سے ملنا پسند نہیں کرتے۔“

”نہیں، میرا خیال ہے، وہ ہمارا امتحان لے رہے ہیں اور اگر ہم خوف زدہ نہ ہوئے تو ہم سے وہ ضرور ملیں گے۔ بلکہ میرا خیال ہے، وہ بڑے کام کے آدمی ہوں گے۔“ عنبر نے کہا۔

اچانک دروازہ کھُلا۔ مگر وہاں کوئی آدمی اُنہیں نظر نہ آیا۔ عنبر، نسیم اور عاقب ایک لمحے ٹھٹکے اور پھر اندر داخل ہوئے۔ کمرے میں روشنی نہ تھی، بلکہ ملگجا ملگجا سا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ نسیم نے سہم کر عاقب کا ہاتھ دبایا۔

عاقب نے اِدھر اُدھر دیکھ کر آہستہ سے کہا "شاہین صاحب تو مجھے یہاں بھی نظر نہیں آرہے!"

"شاہین صاحب! شاہین صاحب!" عنبر نے ذرا زور سے آواز دی۔ "ہم آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

جواب میں کوئی آواز نہ آئی۔ کمرے میں مکمّل خاموشی طاری رہی۔ پھر یکایک اُنہیں ایک سرسراہٹ سی سُنائی دی، جیسے کمرے میں کوئی چیل یا گِدھ جیسا پرندہ گھُس آیا ہو۔ چند لمحوں میں ایک پرندہ بڑی تیزی سے اُڑتا ہوا سُراغ رسانوں کی طرف بڑھا۔ تینوں لڑکے خون زدہ ہو گئے۔

یہ پرندہ گِدھ جیسا تھا۔ ٹیڑھی، مڑی ہوئی چونچ اور بڑے بڑے خطرناک پنجے۔ یوں لگتا تھا کہ ابھی ان لڑکوں کی آنکھیں نکال لے گا۔ عنبر نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا اور نسیم اور عاقب زور زور سے چلّانے لگے۔

مگر وہ پرندہ سُراغ رسانوں کے سر کے اُوپر ہوا میں رُک گیا جسے جھپٹا مارنے لگا ہو۔

”مدد! مدد!“ نسیم اور عاقِب چلائے۔ لیکن اگلے ہی لمحے عنبر نسیم اور عاقب کو جھنجھوڑ کر کہہ رہا تھا۔ ”چلّاؤ مت۔ فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔“

عجیب سائنس دان

"پرندہ چلا گیا؟" عاقِب نے آنکھیں بند کیے کیے عنبر سے پوچھا۔

"نہیں۔ پرندہ موجود ہے لیکن وہ اصلی نہیں، نقلی ہے۔ شاید بجلی کے باریک تاروں پر اُڑ رہا تھا۔" عنبر نے کہا۔ "اُوپر دیکھو!"

"اوہ!" نسیم نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "میں تو ڈر ہی گیا تھا۔"

اُسی لمحے کمرے میں بتّی جل گئی اور دوسرے دروازے سے ایک لمبا تڑنگا شخص، سفید اوور آل پہنے کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کے بال چھوٹے اور

گھنگھریالے تھے۔

"پُراسرار سائنس محل میں خوش آمدید!" اُس آدمی نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "میں شاہین ہوں۔ ابھی اپنا پرندہ واپس اُتارے لیتا ہوں۔ تُم فکر نہ کرو۔"

"ہمیں آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔" عنبر نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "یہ ہمارا تعارفی کارڈ ہے۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے اپنی جیب سے کارڈ نکال کر شاہین کی طرف بڑھایا:

تین ننھے سُراغ رساں

ہم مُشکل سے مُشکل گتھیاں سلجھا سکتے ہیں

؟ ؟ ؟

سُراغ رساں نمبر ایک: عنبر

سُراغ رساں نمبر دو: نسیم

سُراغ رساں نمبر تین: عاقِب

”خوب! تو تُم لوگ سُراغ رساں ہو۔“ شاہین نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ ”کہو، میں تم لوگوں کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟“

”مدد؟“ عنبر نے کہا۔ ”جی ہاں، ہم اِسی لیے آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں۔۔۔ ہمیں آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔“

”ضرور پوچھو۔“ شاہین نے کہا۔ ”ویسے یہاں تو آج کل ایک ہی مسئلہ ہے اور وہ ہے گُم شُدہ کتّوں کا۔“

”ہمارا مسئلہ صرف ایک کتّا ہے۔ باقی کتّے نہیں۔“ عنبر نے گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ ”ہمیں صرف انور صاحب کے کتّے کی تلاش ہے۔“

”میں اس بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتا۔“ شاہین نے کہا۔ ”میں نے ریڈیو کی خبروں میں کتّوں کے گُم ہونے کا ذکر سُنا تھا۔ یوں بھی میں ذرا تنہائی کی زندگی گزارتا ہوں۔ مجھے صرف سائنس سے دل چسپی ہے۔“

”جی ہاں، وہ تو ہم آپ کے مکان کے اندر آتے ہی سمجھ گئے تھے۔“ نسیم

بولا۔

”ہم ابھی ابھی انور صاحب کے ایک پڑوسی قدیر صاحب کے پاس گئے تھے اور اُن سے بھی کُچھ معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے، لیکن۔۔۔۔۔“

”لیکن اُس نے تُم لوگوں پر اپنی دونالی بندوق تان لی ہو گی۔“

”جی ہاں۔ وہ تو خیر ہوئی کہ اُس کا سیفٹی کیچ بند تھا اس لیے ہم گولی سے محفوظ رہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”لیکن ہم پر یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ کتّوں سے سخت نفرت کرتے ہیں۔“

”کتّوں سے؟ صرف کتّوں ہی سے نہیں، قدیر ہر شے سے نفرت کرتا ہے۔“ شاہین نے نفرت کے لفظ پر زور دے کر کہا۔ ”اس لیے وہ ہر ایک کو بندُوق دِکھا کر خوف زدہ کر دیتا ہے۔“

”خوف زدہ تو آپ نے بھی ہمیں کیا، لیکن مختلف انداز میں۔“ نسیم نے کہا۔ ”آپ نے یہ سارا کھڑاک کیوں پھیلا رکھا ہے؟“

”میں سائنس دان ہوں، اس لیے میں نے یہ آٹو میٹک سسٹم بنایا ہوا ہے تاکہ ہر ایرا غیرا یہاں آ کر میرا قیمتی وقت ضائع نہ کرے۔ صرف وہی آئے جو واقعی کسی ضروری کام سے ملنا چاہتا ہو۔“

”جناب۔“ عنبر نے کہا۔ ”ہم آپ کا قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے۔ اگر آپ کے گُم شدہ کتّوں، خاص طور پر انور صاحب کے کتّے کے بارے میں کچھ جانتے ہوں تو ہمیں بتا دیجیے۔“

”میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔“ شاہین نے کہا۔

”اس بارے میں انور صاحب نے ہمیں جو کچھ بتایا تھا اس پر یقین نہیں آتا۔“ عنبر نے گول مول الفاظ میں کہا۔ ”ویسے آپ انور صاحب کے پڑوسی ہیں۔ ہو سکتا ہے جو کچھ انور صاحب نے دیکھا ہے وہ آپ نے بھی دیکھا ہو۔“

”بھئی، تم تو پہیلیاں سی بجھوا رہے ہو۔“ شاہین نے کہا۔ ”پھِر بھی جہاں تک مُجھے یاد ہے میں گزشتہ ایک ہفتے سے اپنی تجربہ گاہ میں مصروف ہوں، لہٰذا

اِس میں کچھ دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“

”آپ تو سائنس دان ہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”اس لیے اس بارے میں ضرور کچھ نہ کچھ رائے رکھتے ہوں گے کہ کیا اب بھی سمندری بلاؤں کا وجود ہے؟“

”س۔۔۔ سمندری بلا؟“ شاہین نے عجیب انداز میں کہا۔ ”میاں! آج کل تو ایٹمی بلاؤں کا دَور دَورہ ہے۔ سمندری بلاؤں کا ذکر تو ہزاروں سال پہلے ہوتا ہوگا۔“

”پھر بھی کیا آپ نے کبھی اپنے مکان کے پاس کسی غار میں کسی خوف ناک جانور، مچھلی یا مگرمچھ کو جاتے دیکھا ہے؟“

”نا بھئی نا۔“ شاہین نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”میں نے کبھی کسی جانور کو غار میں جاتے نہیں دیکھا۔ البتّہ سُنا ہے کہ وہ غار ہیں ذرا خطرناک۔“

”کس طرح؟“

”اس طرح کہ اِن علاقوں میں بعض اوقات بڑے پتھّر یا مٹّی کے تودے کھسک کر گِر پڑتے ہیں اور بعض اوقات کسی غار کی چھت ہی بیٹھ جاتی ہے۔“ شاہین نے بتایا۔

”میں نے سُنا ہے کہ یہ غار کسی زمانے میں اسمگلروں کی پناہ گاہ تھے۔“

”تم نے ٹھیک سُنا ہے، لیکن اب تو کافی عرصے سے کوئی اُدھر جاتا ہی نہیں اور اب یہ غار ویران پڑے ہیں۔“ شاہین نے سُراغ رسانوں کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم لوگ مجھے ذہین معلُوم ہوتے ہو اور چست چالاک بھی، اس لیے میں تم لوگوں کو یہ مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ ان غاروں کی طرف نہ جانا۔ وہاں جان کا خطرہ ہے۔ اگر کسی غار کی چھت بیٹھ جائے یا۔۔۔۔“

”مم۔۔۔ میں تو کبھی ایسے خوف ناک غاروں میں نہیں جاؤں گا۔“ نسیم نے ہاتھ لہراتے ہوئے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ اب ہمیں چلنا چاہیے۔“

”اچھا، میں دُعا کرتا ہوں کہ تم لوگ انور کے کتّے کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاؤ۔“ شاہین نے کہا۔ ”آؤ، میں تمھیں دروازے تک چھوڑ آؤں۔“

”آپ تکلیف نہ کریں، ہم خود چلے جائیں گے۔“ عنبر نے مصافحے کے لیے دایاں ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

”اچھّا، تو خدا حافظ۔“ شاہین نے دائیں ہاتھ سے مصافحہ کیا اور اندر جا کر دروازہ بند کر لیا۔

عنبر کا مُنہ حیرت سے کھُلا کا کھُلا رہ گیا!

شاہین کا دایاں بازو اُس کے ہاتھ میں ہی رہ گیا تھا!!

حادثہ

”ہائے اللہ!“ عنبر کے مُنہ سے نکلا اور بازو اُس کے ہاتھ سے نیچے گِر پڑا۔ نسیم اور عاقب، جو ایک دو قدم آگے چلے گئے تھے دوڑ کر عنبر کی طرف پلٹے۔

”کیا ہوا؟“ عاقِب نے پوچھا۔

”شاہین صاحب کا ہاتھ تو میرے ہاتھ ہی میں رہ گیا!“ عنبر نے بتایا۔

”یہ تو نقلی بازو ہے؟“ عاقِب نے کہا۔

اُسی لمحے اندر سے ہنسنے کی آواز آئی جو بعد میں کھانسی میں تبدیل ہو گئی۔

"اوہ! میں بھول گیا!" عنبر نے کہا۔ "شاہین صاحب نے ڈرانے کے لیے طرح طرح کے انتظامات کر رکھے ہیں۔ یہ بھی اُن کا ایسا ہی ایک کرتب تھا۔"

"میں تو کہتا ہوں اب ہمیں یہاں سے بھاگ جانا چاہیے۔" نسیم نے کہا۔ "ورنہ ہو سکتا ہے شاہین صاحب کوئی اور خوف ناک طریقہ آزمانے لگیں۔
"ہاں، میں بھی یہی کہتا ہوں کہ یہاں سے بھاگ چلو۔" عاقب نے کہا اور وہ سچ مُچ تیز تیز چلنے لگا۔ نسیم بھی اُس کے ساتھ ساتھ دوڑ پڑا۔ چند منٹ میں وہ لان عبُور کر کے باہر سڑک پر آ گئے۔

عنبر نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "ابھی تھوڑا سا وقت ہمارے پاس باقی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے، ہم ذرا غاروں کو نہ دیکھ آئیں؟"
"غاروں کو؟" نسیم نے کہا۔ اُس کی آنکھیں حیرت سے کھُلی ہوئی تھیں۔

”سب غاروں کو نہیں، صرف اس ایک غار کو جو انور صاحب کے مکان کے پاس ہے۔“

”ہُوں! تمہارا مطلب ہے اُس غار کو جس میں انور صاحب نے سمندری بلا کو داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا؟“ نسیم نے روہانسا ہو کر کہا۔ ”میں تو ہرگز نہیں جاؤں گا۔“

”تمہارا کیا خیال ہے؟“ عنبر نے عاقِب سے پوچھا۔

”میرا خیال نسیم بتا چکا ہے۔“ عاقِب نے کہا۔ ”اور شاہین صاحب بھی تو کہہ رہے تھے کہ وہاں جانا خطرناک ہے۔۔۔ اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ سمندری بلاؤں کا کوئی وجود نہیں ہوتا، تب بھی میں غار کی چھت بیٹھتے ہوئے دیکھنا پسند نہیں کرتا۔“

”لیکن میں تو ایک نظر اس غار کو ضرور دیکھوں گا۔“ عنبر نے کہا اور تیز تیز چلتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

وہ اس راستے پر گیا تھا جو مکانوں کے درمیان میں سے ہوتا ہوا ایک ڈھلان کی شکل میں ساحلِ سمندر کی طرف جاتا تھا۔ اُس راستے میں سیڑھیاں سی تراشی گئی تھیں تاکہ اُترنے میں آسانی رہے۔ بعض جگہ میں لکڑی کے تختے لگا کر سیڑھیاں بنائی گئی تھیں، جن کے ساتھ لکڑی کا جنگلا لگا ہوا تھا جو کبھی حفاظت کے لیے لگایا گیا ہو گا لیکن اب یہاں بہت کم لوگ آتے تھے، اس لیے جنگلے اور سیڑھی دار راستے کی دیکھ بھال کافی عرصے سے نہیں کی گئی تھی۔

"آخر یہ کیا چکّر ہے؟" نسیم نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔ "عنبر ہماری رائے کے بالکل اُلٹ کام کرتا ہے۔"

"ہاں، اور ہمیں اس کی رائے ماننے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔" عاقب نے بُرا سا مُنہ بناتے ہوئے کہا۔ "آؤ، چل کر دیکھتے ہیں کہ وہ کہاں گیا ہے۔" عاقب اور نسیم نہ چاہنے کے باوجود، آہستہ آہستہ نیچے اُترنے لگے۔ جب عنبر نے اپنے پیچھے قدموں کی چاپ سُنی تو اُس نے مُڑ کر دیکھا اور مُسکرایا۔

”آخر آہی گئے، تم لوگ۔“ اُس نے نیچے اُترتے ہوئے کہا۔

”ہاں، ہم تمھیں اکیلا بھی تو نہیں چھوڑ سکتے۔“ نسیم نے کہا۔ ”آگے اللہ مالک ہے۔“

عنبر کو یہ سُن کر ہنسی آ گئی لیکن پھر وہ ایک دم رُک گیا۔ زینے کے ساتھ ساتھ چلنے والا جنگلا اُس کے ساتھ ساتھ ہلنے لگا تھا جیسے وہ بھی ہنس رہا ہو!

اس سے پہلے کہ عنبر اندازہ لگاتا کہ یہ کیا ہو رہا ہے، لکڑی کا ایک تختہ اُس کے بوجھ تلے چرچرایا اور پھر ٹوٹ گیا۔ اُس نے جلدی سے ہلتے ہوئے جنگلے کو پکڑ لیا، لیکن جنگلا بھی کچّی مٹّی کے برتن کی مانند ٹوٹ گیا۔

عاقِب اور نسیم پوری تیزی سے نیچے اُتر رہے تھے کیونکہ ڈھلان کافی زیادہ تھی۔ اُنھوں نے عنبر کا حشر دیکھا تو جنگلے کا سہارا لے کر رُکنا چاہا، مگر وہ جنگلا بھی ٹُوٹ کر اُن کے ہاتھ میں آ گیا۔ دھڑام! عنبر دس فٹ کی بلندی سے نیچے گرا!

دھڑڑڑڑام! نسیم اور عاقِب بھی بارہ تیرہ فٹ کی بلندی سے ساحل کی ریت پر آگرے!

ایک لمحے کے لیے تینوں سُراغ رسانوں کی آنکھوں کے اندھیرا چھا گیا!

سب سے پہلے نسیم نے اپنے سر کو دائیں بائیں زور سے جھٹکا دیا اور جب وہ دیکھنے کے قابل ہوا تو اُس نے کہا۔ ”عنبر! عاقب! ٹھیک تو ہو تُم لوگ؟“

”ہوں۔۔۔ہاں۔۔۔شاید۔“ عاقِب نے سر کو اِدھر اُدھر ہلا کے کہا۔

البتّہ عنبر نے پہلے سر ہلایا، پھر اُٹھ کر اپنی ہڈّیاں پسلیاں دیکھیں اور اُس کے بعد یہ اعلان کیا:

”اللہ کا شکر ہے، میں بالکل ٹھیک ہوں۔“

اس کے بعد ایک لمحے کے لیے وہ ٹھٹکا اور پھر بولا۔ ”البتّہ تم دونوں نے اوپر سے آکر میرے لیے مشکل پیدا کر دی تھی۔“

”دیکھا!“ نسیم نے عاقِب سے کہا۔ ”اصرار تو اس نے خود کیا تھا کہ ہم غار

دیکھنے ضرور چلیں گے اور پھر سیڑھی بھی خود توڑ دی، اور اب ہم پر الزام لگا رہا ہے!"

"جب تم دونوں نے مجھے گِرتے دیکھا تھا تو تم رُک سکتے تھے۔ وہیں، اُوپر ہی ٹھہر سکتے تھے۔" عنبر نے کہا۔

"بہر حال، ہم جان بوجھ کر یا شوقیہ تو نہیں گِرے۔" نسیم نے مُسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں، یہ بات تو طے ہے۔" عاقِب نے بھی اُس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ "اصل میں تو تمہارا اپنا وزن ہی سیڑھیوں اور جنگلے کو توڑنے کا ذمّے دار بنا۔"

"توڑنے کا؟" عنبر نے حیرت سے کہا۔ "مجھے اس بات میں شبہ ہے کہ یہ سیڑھی اور جنگلا میرے وزن سے ٹوٹا تھا۔"

"تو؟"

"میرا خیال ہے یہ سیڑھی کسی نے یہاں سے کاٹ کر ٹکا دی تھی تاکہ جب ہم یہاں آئیں تو گِر پڑیں۔" عنبر نے کہا۔ "اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں تو میں اِن ٹوٹی ہوئی لکڑیوں میں سے تمہیں آری سے کٹی ہوئی لکڑی دکھا سکتا ہوں۔"

"ہو سکتا ہے تمہارا خیال درست ہو۔" عاقِب نے کہا۔ "لیکن عنبر، یہ بات تو کسی کو معلوم نہ تھی کہ لوگ یہاں آنے والے ہیں!"

"اور پھر ہمارا یہاں کوئی دُشمن بھی تو نہیں!" نسیم بولا۔

"ہو سکتا ہے میرا خیال غَلَط ہو۔" عنبر نے کہا۔ "میں اپنے خیال کے سچ ہونے پر اصرار نہیں کروں گا۔"

عاقِب اور نسیم نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ایسا موقع کبھی کبھار ہی آتا تھا کہ عنبر اپنی بات سے پیچھے ہٹے۔

"بہر حال، اس حادثے کی وجوہات میں پڑ کر ہمیں اپنے اصل مقصد کو نہیں

بھولنا چاہیے۔" عنبر نے اپنا نِچلا ہونٹ مسلتے ہوئے کہا۔ "ہم یہاں غار دیکھنے آئے تھے۔"

"تو چلو، وہ رہا غار کا دہانہ۔ جا کے دیکھ لیتے ہیں۔" عاقِب بولا۔

"اور اگر غار کے اندر سچ مُچ سمندری بلا ہوئی تو۔۔۔؟" نسیم نے کہا۔

"کوئی خطرہ محسوس ہوا تو ہم اندر نہیں جائیں گے۔" عنبر نے نسیم کو یقین دلایا۔ "آخر سمندری بلا کے غار کے اندر جانے سے کچھ نشانات تو ریت پر بنے ہوں گے۔"

اسی لمحے چند سمندری بگلے اُن کے سروں پر سے پھڑ پھڑاتے ہوئے گُزر گئے۔

"میرا خیال ہے ہم ان سے پُوچھ لیں کہ اُنھوں کوئی سمندری بلا تو آس پاس نہیں دیکھی؟" نسیم نے بگلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں، کیوں نہیں۔" عنبر نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اور اگر یہ ہمیں نہ بتا

سکیں تو اُس کوڑا لے جائے والے ٹرک کے ڈرائیور سے پوچھ لیں۔"عنبر نے دُور ایک طرف اشارہ کیا جہاں ایک ٹرک جا رہا تھا۔

"ہمیں پہلے سمندری بلا کے نشانات تلاش کرنے چاہئیں۔" عاقب نے تجویز پیش کی۔

"تُم نے بہت عقل مندی کی بات کہی ہے۔ ہمیں ایسا ہی کرنا چاہیے۔"عنبر نے کہا۔

اور پھر تینوں دوست ریت پر نشانات تلاش کرنے لگے۔

"مجھے تو سوائے سیپیوں کے اور کچھ نظر نہیں آ رہا۔" عاقِب نے کہا۔

"یہ کچھ گھاس پھوس پڑا ہوا ہے، جو شاید سمندر کی لہروں کے ساتھ بہتا ہوا یہاں آ گیا ہو گا۔"نسیم بولا۔

"ہو سکتا ہے سمندر کی لہروں نے سمندری بلا کے پیروں کے نشان صاف کر دیے ہوں۔"عنبر نے کہا۔

”ہاں، ایسا ممکن ہے۔“نسیم بولا۔”اس صورت میں ہمیں یہ نشانات سمندر سے ذرا دور تلاش کرنا چاہیں۔ سمندر کی لہریں اتنی دور تک نہیں جا سکتیں۔“

”ہاں، ہمیں غار کے نزدیک جا کر نشانات تلاش کرنے چاہیں۔“عنبر نے کہا اور جھٹ پٹ غار کی طرف چل دیا۔

عاقِب اور نسیم بھی اُدھر ہی کو روانہ ہو گئے۔ وہ بار بار نیچے جھُک کر زمین کو دیکھتے تھے مگر ابھی تک اُنہیں ایک بھی نشان نہیں ملا تھا۔

غار کے دہانے کے قریب پہنچ کر نسیم نے کہا۔ ”اگر غار کے اندر واقعی سمندری بلا ہوئی تو؟“

”بھئی، میں تو ہتھیار لے لوں۔“ عاقِب نے لکڑی کا ایک لمبا سا ٹکڑا اُٹھاتے ہوئے کہا۔”آخر سمندری بلا سے مقابلے کے لیے کچھ نہ کچھ تو ہمارے پاس ہونا چاہیے۔“

نسیم نے بھی اِسی قسم کا ایک ٹکڑا لے لیا اور اُسے تلوار کی طرح دائیں بائیں گھماتے ہوئے بولا۔ ”آ جا، او سمندری بلا! میں تجھ سے نہیں ڈ ڈ ڈرتا۔“ اُس نے ڈرتے ہوئے کہا۔

عنبر نے ریت پر پڑا ہوا ایک پرانا چپّو اُٹھا لیا جو نہ جانے کب سے وہاں پڑا ہو گا۔ ”میرے لیے یہی کافی ہے۔“ اُس نے کہا۔ ”اور میں جانتا ہوں کہ اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔“

”کاش نہ پڑے!“ نسیم نے اِس انداز سے کہا کہ سب کو ہنسی آ گئی۔

اُسی لمحے عنبر نے زمین پر جھکتے ہوئے کہا۔ ”یہاں کچھ نشانات معلوم ہوتے ہیں۔“

نسیم اور عاقِب بھی جھک کر دیکھنے لگے۔ ریت پر واقعی کچھ نشانات پڑے ہوئے تھے۔ لیکن یہ کسی گاڑی یا کار وغیرہ کے پہیّوں کے نشان لگتے تھے۔

”معلوم ہوتا ہے، یہ نئے زمانے کی سمندری بلا ہے۔“ عاقِب نے کہا۔ ”اور

پاؤں کے بجائے پہیّوں پر چلتی ہے!" ہو سکتا ہے، ساحلی محافظوں کی جیپ کے پہیّوں کے نشانات ہوں۔"

"لیکن عنبر! "نسیم نے کہا۔ "اگر سے ساحلی محافظوں کی جیپ کے نشانات ہوتے تو سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ دائیں سے بائیں کو جاتے۔ لیکن یہ تو ساحل کی طرف سے آکر غار کی طرف جا رہے ہیں؟"

یہ کہہ کر وہ اُن نشانوں کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ عنبر اور عاقب بھی اُس کے پیچھے پیچھے آگے بڑھے۔ مگر غار کے دہانے سے کچھ فاصلے پر جا کر یہ نشانات اچانک غائب ہو گئے۔

"کیا یہ ممکن نہیں ہو سکتا کہ انور صاحب نے دُور سے کسی جیپ یا ٹرک کو سمندری بلا سمجھ لیا ہو؟" نسیم نے کہا۔

"تب بھی ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔" عنبر نے کہا۔ "غار کے قریب جا کے نشانات کیوں غائب ہو گئے؟"

”اس کے جواب کے لیے تو ہمیں غار کے اندر ہی جانا پڑے گا۔“ عاقب نے کہا۔ ”میں جاتا ہوں غار کے اندر۔“ اور یہ کہہ کر وہ غار کے دہانے میں داخل ہو گیا۔ غار کا دہانہ خاصا بڑا تھا، اتنا بڑا کہ ایک بس بڑے آرام سے اُس کے اندر جا سکتی تھی۔

”یہ عاقِب یکایک اتنا بہادر کیسے بن گیا؟“ نسیم نے عنبر سے پوچھا۔

”ٹائروں کے نشانات اِتنے خوف ناک نہیں ہوتے جتنے کسی سمندری بلا کے قدموں کے نشانات۔“ عنبر نے کہا اور پھر اُس نے ذرا زور سے کہا۔ ”عاقب! اندر جا کے ہمیں بتانا کہ وہاں کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ غار بہت زیادہ بڑا نہیں ہے۔“

ابھی نسیم اور عنبر باتیں کر ہی رہے تھے کہ اندر سے عاقِب نے چلّا کر کہا۔ ”مدد! مدد!!“

بھُتنا

غار کے اندر خاصا اندھیرا تھا۔ نسیم اور عنبر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے عاقب کو دیکھنے لگے لیکن عاقب اُنہیں نظر نہ آیا۔

"مدد! نسیم! عنبر! مدد!" عاقِب کی آواز پھر آئی۔ عنبر نے چند قدم آگے بڑھائے، لیکن کِسی چیز سے ٹکرا کر دھڑام سے گِر پڑا۔ "نسیم! ذرا دیکھ کر آگے بڑھنا۔ میں کسی چیز سے ٹکرا گیا ہوں۔"

"اُدھر سے نسیم کی آواز آئی۔ "عنبر! ایک منٹ وہیں رہو۔ میں نے عاقب

کو ڈھونڈ لیا ہے۔"

"ڈھونڈ لیا ہے؟ کہاں ہے وہ؟" عنبر نے پوچھا۔

عنبر سر ہلا کے کھڑا ہوا اور غور سے پیچھے دیکھا۔ اب اس کو غار کے اندر کا منظر صاف نظر آنے لگا تھا۔ غار کے دائیں حصّے میں ایک گڑھا تھا جس کے کنارے پر ہاتھ رکھے نسیم اُس کے اندر جھانک رہا تھا۔ "عاقب اس گڑھے میں گِرا پڑا ہے۔"

"میں یہاں ہوں، عنبر! نیچے۔" عاقِب کی دھیمی سی تھکی آواز سامنے سے آئی۔ "مُجھے نکالو۔ جلدی کرو۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں کسی دلدل میں دھنستا چلا جا رہا ہوں!"

"دلدل؟" عنبر نے کہا۔ "دلدل تو غاروں کے اندر نہیں ہوتی۔"

"اِس وقت بحث کا وقت نہیں" عاقِب چیخا۔ "مجھے جلدی سے باہر نکالو!"

عنبر نے گڑھے کے کنارے پر اپنا ہاتھ لٹکایا مگر عاقِب خاصا نیچے تھا۔

”عاقب، تُم اِس لکڑی کو اُوپر کر د، جو تم ساتھ لائے تھے۔ میں اُسے پکڑ لوں گا اور تُم اُوپر آجانا۔“

”لکڑی تو میرے ہاتھ سے پہلے ہی چھوٹ گئ تھی۔“

”ٹھہرو! میں یہ چپّو نیچے کرتا ہوں۔“ عنبر نے اپنا چپّو گڑھے میں لٹکا دیا۔

”کوئی فائدہ نہیں۔“ عاقِب نے روہانسی آواز میں کہا۔ ”میں اور نیچے ہو گیا ہوں۔ میرا ہاتھ اُسے نہیں پکڑ سکتا۔“

”اب کیا کریں؟“ نسیم نے کہا۔ ”جلدی سے کوئی ترکیب سوچو۔۔۔ جلدی سے۔“

عنبر کا دایاں ہاتھ نچلا ہونٹ مسلنے لگا۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ اُس کا ذہن تیزی سے سوچ رہا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اُس گڑھے کے چاروں طرف چکّر کاٹنے لگا۔

”یہ وقت چکّر کاٹنے کا نہیں۔“ نسیم نے کہا۔ ”خدا کے لیے کوئی ترکیب

سوچو!"

"میں چند انچ اور نیچے چلا گیا ہوں۔ جلدی کرو۔ خدا کے لیے جلدی کرو۔"
عاقب نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔

"تُم اپنے ہوش و حواس قائم رکھو۔ میں سوچ رہا ہوں۔ بس ایک لمحہ۔"
عنبر نے بائیں ہاتھ سے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ "بس۔۔۔! ہوں۔۔۔!
ٹھیک ہے! اِدھر آؤ، نسیم!"

نسیم تیزی سے اُس کے قریب آ گیا۔ "کہو؟" اُس نے بے تابی سے کہا۔
"کیا کروں؟"

"میں تمہارے ہاتھ پکڑتا ہوں۔ تم اس گڑھے کے کنارے پر لٹک جاؤ۔
عاقب، تمہارے پاؤں پکڑ لے گا، اور پھر تمہارے جسم کو سیڑھی بنا کر اُوپر
آ جائے گا۔" چند ہی لمحوں میں نسیم گڑھے کا کنارہ پکڑ کر اندر لٹک گیا۔
عنبر نے اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیے اور پاؤں پیچھے کر کے
اوندھے منہ لیٹ گیا۔ نسیم نے گڑھے کے اندر لٹکتے ہی عاقب کو آواز دی۔

”عاقب! تم میرے پاؤں پکڑ لو اور پھر باہر آ جاؤ!“

”افسوس!“ عاقِب نے کہا۔ ”میں تمھارے پاؤں نہیں پکڑ سکتا۔ اِن چند منٹوں میں مَیں اور نیچے چلا گیا ہوں۔“

یکایک عنبر نے نسیم کا ایک ہاتھ چھوڑ دیا اور بولا۔ ”گھبراؤ نہیں۔ میں نے تمھارا ایک ہاتھ جان کر چھوڑا ہے۔ تم دوسرا ہاتھ مضبوطی سے تھامے رہو۔“

دراصل وہ بائیں ہاتھ سے اپنی پتلون کی پیٹی کھول رہا تھا۔ جب وہ اُسے کھول چُکا تو اس نے کہا۔ ”تُم ایک لمحے کے لیے اُوپر آ جاؤ۔“

نسیم کے اُوپر آتے ہی عنبر نے پیٹی کے دونوں سروں میں بکلس لگا کر پیٹی کو بند کر دیا۔ پھر نسیم سے کہا۔ ”اِس پیٹی کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ میں تمھارے پاؤں پکڑے رکھوں گا۔“

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ تم یہ پیٹی پکڑ کر اُلٹے لٹک جاؤ اور عاقِب اُسے پکڑ کر لٹک جائے گا۔“

چند ہی لمحوں میں نسیم پیٹی پکڑ کر لٹک گیا، مگر عاقِب نے اب بھی پیٹی کو نہ پکڑا۔

”میں کنارے کے پاس ہوں، تمھارے دائیں طرف۔ نسیم کر ذرا دائیں طرف کو کرو۔“ عاقب نے چیخ کر کہا۔

”نسیم، پیٹی کو دائیں طرف کو جھُلاؤ۔“

”ٹھیک ہے۔ جھُلاتا ہوں۔“ نسیم نے ایک بار پیٹی کو جھُلایا، دوبارہ جھُلایا، مگر عاقب اُسے نہ پکڑ سکا۔

نسیم نے اب کے ذرا زور سے پیٹی جھُلائی اور اِس دفعہ عاقِب نے اُسے پکڑ لیا۔

”میں نے پیٹی پکڑ لی ہے۔ اب تم مجھے اُوپر کھینچ لو۔ جلدی کرو۔ میں کمر تک

دلدل میں دھنسا ہوا ہوں۔"

نسیم اور عنبر نے زور لگایا اور آخر کار کیچڑ میں لت پت ایک بھُتنا باہر آ گیا!

یہ بھُتنا عاقِب تھا!

"شکریہ۔" عاقِب نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"عنبر کا شکریہ ادا کرو جسے پیٹی کا دھیان آ گیا۔" نسیم نے کہا۔ "خیر، جو ہوا سو ہوا۔" عنبر نے جھینپتے ہوئے کہا۔ "ویسے یہ غَلَطی میری ہی تھی۔"

"کونسی غَلَطی؟"

"ہمیں غار کے اندر ٹارچ کے بغیر نہیں آنا چاہیے تھا۔" عنبر نے کہا۔

"ہاں، یہ بات تُم نے عقل مندی کی کہی ہے۔" عاقِب نے کہا۔ "اب ایک عقل مندی اور کرو اور

وہ یہ کہ یہاں سے واپس چلو۔"

”میں خود بھی یہی کہنے والا تھا۔“عنبر نے سر جھُکاتے ہوئے کہا۔

”ویسے حیرت ہے۔“نسیم نے کہا۔”غار کے اندر اتنا گہرا گڑھا اور پھر اُس

میں دلدل!“

”کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ خان گڑھ کے گُم شُدہ کتّے اِس غار میں آ کر دلدل

میں دب کر مر گئے

ہوں؟“ عاقِب بولا۔

”ایسا ہو سکتا ہے۔“عنبر نے کہا۔”مگر ایک بات ضرور ہے۔ اگر کتّے یہاں

گِرے ہوں گے تو اُنہیں

کسی نہ کسی نے جان کر گرایا ہو گا۔“

”چھوڑو یار، فی الحال تو واپس چلو۔“ عاقِب نے کہا۔”مجھے اپنے آپ سے

گھِن آ رہا ہے۔“

غار سے باہر نکل کر عنبر نے کہا۔”ایک منٹ ٹھہرو۔“

”کیوں؟ اب کیا ہوا؟“

”خطرہ!“ عنبر نے سمندر کی طرف اِشارہ کیا۔ ”وہ دیکھو!“

سمندر میں سے ایک کالا کالا گولا سا نمودار ہو رہا تھا!

”سمندری۔۔۔۔ب۔۔۔۔ب۔۔۔بلا۔“ نسیم نے یہ کہتے ہوئے عنبر کو پکڑ لیا۔ ”میں کہتا ہوں بھاگ چلو!“

”نہیں، ہمیں انتظار کرنا پڑے گا۔ یہ سمندری بلا سمندری بلا نہیں ہے۔“ عبنر نے کہا۔

اب وہ کالا گولا اور اُوپر آ گیا تھا۔ وہ کوئی غوطہ خور تھا!

”توبہ ہے۔ وہ سمندری بلا!“ نسیم نے عنبر سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔ ”میری تو جان ہی نکل گئی تھی۔“

”مگر ابھی خطرہ ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”وہ دیکھو! ایک اور آدمی بھی سمندر میں سے نکل آیا ہے اور اُن دونوں کا رُخ اِدھر ہی ہے۔ وہ دیکھو! ایک نے

تیر پھینکنے والی بندوق بھی پکڑی ہوئی ہے، جس کا رُخ ہماری جانب ہے!"
لیکن اُن لوگوں کو ہم سے کیا دُشمنی ہو سکتی ہے؟" عاقب نے پوچھا۔

"اس وقت یہ سوچنے کا وقت نہیں ہے۔" عنبر کہا۔ "ہمیں جلد کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے۔"

"آؤ، بھاگ کر اُوپر سڑک پر چڑھ جاتے ہیں۔" نسیم نے کہا۔

"چلو۔" عاقِب بولا اور جلدی جلدی چلنے لگا۔ عنبر کچھ دُور آگے چلا لیکن پھر فوراً ہی رُک کر کہنے لگا۔ "فائدہ نہیں۔ وہ سیڑھی تو ٹوٹ چکی ہے اور اگلی سیڑھی یہاں سے دُور ہے۔"

"تب ہمیں غار میں واپس چلنا چاہیے۔" عاقِب بولا۔

یکایک ایک تیر سنسناتا ہوا آیا، اور اگر عنبر بیٹھ نہ جاتا تو اُس کی کمر کے پار ہو جاتا۔

"دوڑو!" عنبر دھاڑا۔ "غار کی طرف دوڑو! جلدی!"

وہ تینوں دوڑ کر غار کے اندر داخل ہو گئے غار کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے۔

”ہمیں ابھی سے سوچ لینا چاہیے کہ اگر وہ دونوں غوطہ خور دُشمن یہاں آ گئے تو ہم کیا کریں گے؟“ عنبر نے کہا۔ ”کیونکہ میرا خیال ہے کہ وہ ضرور یہاں آئیں گے۔“

”اُن کے آتے ہی ہم اُن پر پل پڑیں اور اُنہیں بے بس کر دیں۔“ نسیم نے کہا۔ ”جب تک وہ اندر آئیں گے ہماری آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو جائیں گی۔ اُن کو دو تین منٹ تک کچھ نظر نہ آئے گا۔“

”تُم ٹھیک کہتے ہو۔“ عنبر نے کہا۔ ”ہم ایسا ہی کریں گے۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔“

”عنبر! ایک منٹ!“ عاقِب نے آہستہ سے کہا۔ ”جس جگہ ہم کھڑے ہیں، وہاں، ہمارے پیچھے، لکڑی کے تختے لگے ہوئے ہیں۔“

”کیا؟“عنبر نے حیرت سے مُڑ کر دیکھا۔ عاقِب کی بات صحیح تھی۔ عنبر نے ایک تختے کو بجاتے ہوئے کہا۔ ”اس کے پیچھے کوئی دیوار وغیرہ نہیں ہے۔ اُس نے نیچے بیٹھ کر تختے کے نیچے سے ذرا سی ریت ہٹائی۔ تختہ ڈھیلا ہو گیا۔ ذرا سی ریت اور ہٹائی تو تختہ اُس کے ہاتھ میں آ گیا۔

”آؤ، اس تختے کے پیچھے چھُپ جائیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”یہ ایک غیبی امداد ہے۔“

تینوں سُراغ رساں تختے کے پیچھے چھُپ گئے اور غوطہ خوروں کا انتظار کرنے لگے۔ چند منٹ میں غوطہ خور وہاں پہنچے۔ اُن میں سے ایک کے ہاتھ میں ٹارچ تھی۔

”سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر وہ تینوں بدمعاش گئے کہاں۔“ ایک بھاری سی آواز آئی۔ ”آئے تو وہ اِدھر ہی تھے۔ کیوں بلّے؟“

”ہاں۔“ دوسرے آدمی نے کہا۔ ”اِدھر ہی آئے تھے۔ پتا نہیں کہاں گُم ہو گئے! میری نظر ایک لمحے کو چُوکی تھی، جب تُم گِر پڑے تھے۔ میں تمھیں

اُٹھانے میں لگا اور وہ شیطان غائب ہو گئے! اُن کا رُخ اِدھر ہی تھا۔"

عنبر، عاقِب اور نسیم دم بخود کھڑے اُن کی باتیں سُن رہے تھے۔

"میرا خیال ہے جانو، کہ ہمیں اپنا کام شروع کر دینا چاہیے۔" پہلے نے کہا۔ "وہ لڑکے اِدھر نہیں آئے۔

"ٹھیک ہے۔" بھاری آواز والے آدمی جانو نے کہا۔

اس کے بعد اُنہیں اور کوئی آواز نہ آئی۔ جب خاصی دیر تک غار میں خاموشی رہی تو عنبر نے کہا۔ "وہ چلے گئے ہیں۔ آؤ، باہر چلیں۔"

پہلے عنبر باہر آیا، پھر نسیم اور سب سے آخر میں عاقِب۔ عنبر نے تختے کو واپس اُسی جگہ کھڑا کر دیا۔ اور جلدی جلدی اُس کے نیچے ریت ڈالنے لگا تاکہ وہ پہلے کی طرح مضبوطی سے کھڑا ہو جائے۔

اچانک نسیم نے کہا۔ "آ۔۔ آ۔۔۔" اُسے چھینک آنے لگی تھی۔

عنبر نے اُچھل کر اُس کے منہ پر دونوں ہاتھ رکھ دیے جس سے چھینک کی

آواز دب گئی۔

”تمہاری چھینک کی آواز سُن کر وہ لوگ واپس پلٹ آتے۔ وہ ابھی زیادہ دُور نہیں گئے ہوں گے۔“

”یہ کہہ کر عنبر نے گھڑی دیکھی اور پھر بولا۔ ”اب ہمیں چلنا چاہیے، اللہ داد سڑک پر ہمارا انتظار کر رہا ہو گا۔ اُس سے جدا ہوئے پورے تین گھنٹے ہو چکے ہیں۔“

تینوں سراغ رساں باہر نکلے تو ان پُراسرار غوطہ خوروں، بلّے اور جانو کا دُور دُور تک نام نشان نہ تھا!

بلاکاٹیلے فون

”آخر وہ دونوں گئے کہاں؟“ عنبر نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

عنبر اور نسیم، شاداب نگر میں، اپنے خفیہ ہیڈ کوارٹر میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ اُنہیں واپس آئے ایک گھنٹا ہو گیا تھا۔ عاقب سیدھا اپنے گھر چلا گیا تھا تاکہ نہا دھو کے آدمی بن جائے۔

”سمجھ میں تو میری بھی نہیں آیا کہ آخر یہ کیا چکر ہے!“ نسیم نے کہا۔ ”نہ جانے وہ غوطہ خور کون تھے اور اتنی جلدی کہاں غائب ہو گئے! بس اتنا ہی

معلوم ہو سکا کہ اُن میں سے ایک کا نام بلّا تھا اور دوسرے کا نام جانُو۔ نہ جانے وہ کیوں ہمیں مارنا چاہتے تھے اور نہ جانے ہم کیسے زندہ سلامت اپنے گھر آ گئے؟! نسیم نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"یہ بھی تو سوچو کہ وہ سیڑھیاں کیسے گِر پڑیں؟" عنبر نے کہا۔ "میرا خیال ہے، ہمیں انور صاحب کے کتّے کو تلاش کرنے کے لیے بہت سے سوالوں کے جواب ڈھونڈنا پڑیں گے۔"

"مجھے ایک خیال سوجھا ہے جس سے ہم جلد ہی اس قصّے سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔" نسیم نے کہا۔

"کیا؟" عنبر نے پوچھا۔

"ہم ابھی ٹیلے فون پر انور صاحب کو بتا دیں کہ ہم آپ کے کتّے کو ڈھونڈنے کے چکّر میں نہیں پڑتے اور آپ جسے چاہیں یہ کام سونپ سکتے ہیں۔" نسیم بولتا چلا گیا۔

عنبر نے اُس کا ایک ہی فقرہ سُننے کے بعد اپنے کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس لیں اور بولا۔ ”تم زبان بند کرو تو میرے ذہن میں جو خیال آ رہا ہے وہ تمہیں بتاؤں۔“

”بتاؤ۔“ نسیم نے مِسمِسی سی صورت بناتے ہوئے کہا۔

”ہمیں قاعدے اور قرینے سے کام کرنا چاہیے۔“ عنبر نے کہا۔ ”اور سب سے پہلے یہ مسئلہ حل کرنا چاہیے کہ وہ دو غوطہ خور کون تھے اور وہاں کیا کرنے گئے تھے!“

نسیم نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”ان دو بلاؤں کے پیچھے نہ پڑو۔ آخر ہم بھی تو وہاں گئے تھے۔ بس، اسی طرح وہ بھی وہاں گئے تھے۔“

”نہیں۔ ہمارے اور اُن کے کام الگ الگ تھے۔ ہم وہاں انور صاحب کا السیشن کتّا ٹامی ڈھونڈ رہے تھے اور ظاہر ہے وہ غوطہ خور یہ کام نہیں کر رہے تھے۔“ عنبر نے بڑے جوش سے کہا۔

”ہم ڈھونڈ تو رہے تھے کتّا، مگر ملا ہمیں صرف ایک گڑھا اور وہ بھی عاقب کی مہربانی سے۔“ نسیم نے اس انداز سے کہا کہ عنبر مُسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

”بھئی، ہمیں وہ خُفیہ ٹھکانا بھی تو ملا تھا غار میں۔“ عنبر نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے وہ کوئی خفیہ راستا ہو، یا سُرنگ ہو یا کسی گُپھا کو جانے والا راستا ہو!“

”بہر حال، ہمیں اِس سے غرض نہیں کہ وہ راستا ہے یا سرنگ ہے۔“ نسیم نے کہا۔ ”ہم تو اتنا جانتے ہیں انور صاحب کا کتّا وہاں نہ تھا اور نہ سمندری بلا ہی وہاں تھی۔“

”ہمیں ایک بار اور اُس غار میں جانا ہو گا۔“ عنبر نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے کہا۔

”ٹھہرو! میرے دماغ میں ایک سوال اور آ رہا ہے۔“ نسیم نے عنبر کو ہاتھ کے اشارے سے چُپ کراتے ہوئے کہا۔

”اگر تم سنجیدہ ہو تو بتاؤ۔“ عنبر نے کہا۔

”سُنو! وہ دونوں غوطہ خور اُس گڑھے میں کیوں نہیں ِگرے جس میں عاقب ِگرا تھا؟ کیا اِس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اُنہیں پہلے سے اِس غار کے بارے میں علم تھا؟“

”ہوں۔“ عنبر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”مگر تم ایک بات بھُول رہے ہو۔ اُن کے پاس ٹارچ بھی تھی۔ اب باقی رہی یہ بات کہ وہ کیوں آئے تھے اور کہاں غائب ہو گئے تو یہ ہم اُس وقت شاید جان سکیں جب ہم اِس غار میں ایک مرتبہ پھر جائیں۔“

”لیکن میں تو دوبارہ وہاں نہیں۔۔۔۔“ نسیم کی بات بیچ ہی میں رہ گئی کیونکہ اُسی لمحے خفیہ ہیڈ کوارٹر میں لگے ہوئے ٹیلے فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔

گھنٹی بج رہی تھی اور عنبر نہ جانے کیوں ٹیلے فون کو گھورے جا رہا تھا! گھورے جا رہا تھا!

”کہاں پہنچے ہوئے ہو؟“ نسیم نے اُس کا کندھا ہلایا۔ ”ٹیلے فون سُنو۔“

”اوہ! ہاں، اچھّا۔“ عنبر نے کہا اور ریسیور اُٹھا کے بولا۔ ”ہیلو! تین ننّھے سُراغ رساں۔“

ٹیلے فون کے دوسری طرف صرف ایسی آواز آ رہی تھی جیسے کوئی بہت تکلیف سے سانس لے رہا ہو۔

”ہو سکتا ہے، غلط نمبر ہو۔“ نسیم نے کہا۔

”نہیں۔ یہ غلط نمبر نہیں ہے۔“ عبر نے کہا۔ ”دیکھو نا، کسی کے سانس لینے کی آواز آ رہی ہے۔“ عنبر نے پھر کان سے رسیور لگایا۔ ”ہیلو؟“ اُس نے کہا ”ہیلو! کون صاحب ہیں؟“

دوسری طرف سے عجیب سی آواز میں کہا گیا۔ ”سُنو!“ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی آدمی، کوئی ایسا آدمی بول رہا ہو جس کا گلا گھونٹا جا رہا ہو!

نسیم نے کہا۔ ”فون بند کر دو۔ مجھے تو یہ آواز بڑی خوف ناک لگ رہی ہے!“

عنبر نے ٹیلے فون کے ساتھ ریڈیو کا سپیکر اِس انداز سے جوڑا ہوا تھا کہ ٹیلے

فون پر ہونے والی آواز کمرے میں بیٹھے ہوئے دوسرے لوگ بھی سُن سکیں۔ ”میں سُن رہاہوں۔ کہو!“عنبر نے کہا۔

”دُور۔۔۔دُور۔۔۔رہو۔“اُس خون ناک آواز نے کہا۔ ”میرے۔۔۔۔ غار۔۔۔۔سے۔۔۔۔دُور۔۔۔رہو!“

اِتنا کہنے کے بعد رسیور رکھ دیا گیا۔

عنبر نے بھی فون رکھ دیا۔ وہ نسیم کو گھُور رہا تھا اور نسیم اُس کو! دونوں کے منہ حیرت سے کھُلے ہوئے تھے!

آمنا سامنا

عاقِب نہا دھو کر، کپڑے بدل کے خفیہ ہیڈ کوارٹر پہنچا تو نسیم عنبر سے کہہ رہا تھا، ''سمجھ گئے نا؟ میں کہتا ہوں کہ ہمیں انور صاحب کے کتّے کو بھُول جانا چاہیے۔۔۔ انور صاحب کے لیے تو ایک پالتو کتّا ہے، مگر ہمارے لیے اس کتّے کا مطلب ہے سمندری بلا، خطرناک غار، دلدل والا گڑھا، دو خوفناک غوطہ خور، ایک ٹوٹی ہوئی سیڑھی اور ایک پُراسرار آواز ٹیلے فون کی۔۔۔''

”بھئی، یہ کیا تقریر ہو رہی ہے؟“ عاقِب نے پوچھا۔ ”اس تقریر کا آخری حصّہ تو میں بالکل ہی نہیں سمجھ سکا۔“

”تمہارے جانے کے بعد ہمیں ٹیلے فون پر ایک پُراسرار پیغام ملا تھا کہ ہم اُس کے غار سے دُور رہیں۔“عنبر نے کہا۔

”کس کے غار سے؟“ عاقِب نے پُوچھا۔ ”اُسی کے جس نے ٹیلے فون کیا تھا۔“نسیم نے کہا۔ ”وہ کوئی ایسا شخص تھا جس کا شاید گلا گھونٹا جارہا تھا کیونکہ اُس کی آواز رُک رُک کر آرہی تھی۔“

”ایک بات واضح ہے۔“ عاقِب نے کہا۔ ”کہ ہمیں یہ معاملہ چھوڑ دینا چاہیے۔“

”میری بھی یہی رائے ہے۔“نسیم نے کہا۔

”تم جانتے ہو کہ میں جس چیز میں ہاتھ ڈالتا ہوں، پھر پیچھے نہیں ہٹتا۔“عنبر نے کہا۔

”میں تو باز آیا۔“ نسیم نے کہا۔ ”اگر تُم نے یہ خیال نہ چھوڑا تو صُبح تک میرے سر کے تمام بال سفید ہو جائیں گے۔“

”سفید ہوں یا کالے، میں رِنگ موٹر کمپنی کو ٹیلے فون کر کے اللہ داد کے ہاتھ مرسیڈیز گاڑی پھر منگوا رہا ہوں۔ اور میں خان گڑھ جا کر اُس غار کا جائزہ لوں گا تا کہ اِس مسئلے کے حل کے لیے آگے کوئی قدم اُٹھایا جائے۔“ عنبر ایک ہی سانس میں کہہ گیا۔ ”میں شرطیہ کہہ سکتا ہوں کہ تم دونوں بھی کار کے آتے ہی اُس میں بیٹھ جاؤ گے۔“

”یہ تو خیر وقت ہی بتائے گا۔“ نسیم نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

کوئی دو گھنٹے بعد تینوں ننّھے سُراغ رساں خان گڑھ پہنچ چکے تھے اور عنبر اللہ داد سے کہہ رہا تھا۔ ”بس ہم زیادہ دیر نہیں لگائیں گے۔ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹا لگے گا۔“

”بہتر۔“ اللہ داد نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ ”میں یہیں آپ کا انتظار کروں گا۔“ اللہ داد بڑا خوش مزاج آدمی تھا اور ننّھے سُراغ رسانوں کے کام میں

خاصی دل چسپی لیتا تھا۔

عنبر نے کار میں سے ٹارچیں، کیمرہ، ٹیپ ریکاڈر ایک رسّا نکالا۔ ''ہم چاہتے ہیں کہ اگر ہمیں سمندری بلا مل جائے تو اُس کی تصویر اُتار لیں اور آواز بھی ریکارڈ کر لیں، تا کہ تفتیش میں مدد مل سکے۔'' عبر نے عاقب اور نسیم کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''اب ہم کس راستے سے جائیں گے؟'' نسیم نے پوچھا۔

''اُس راستے سے جو پچھلی دفعہ ہمیں دُور سے نظر آرہا تھا۔'' عنبر نے کہا۔ ''ظاہر ہے کہ ایک راستا تو ہم توڑ ہی چکے ہیں، اب دوسرا ہی راستا استعمال کرنا ہو گا۔'' جلد ہی وہ تینوں نیچے اُتر کر غار میں داخل ہو گئے۔ اس وقت ان تینوں کے پاس ایک ایک ٹارچ تھی۔ عاقب کے کندھے پر ٹیپ ریکارڈر لٹک رہا تھا، نسیم کے کندھے پر کیمرا، اور عنبر کے کندھے پر نائیلون کی رسّی۔

عنبر نے اپنی ٹارچ روشن کر رکھی تھی اور اُسے غار میں ہر طرف گھُما رہا

تھا۔۔۔۔غار کوئی خاص بڑا نہ تھا اور اُس کی دیواریں بالکل آس پاس نظر آ رہی تھیں۔

"مجھے یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ یہ غار بہت چھوٹا ہے۔" نسیم نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"اس میں خوشی کی کیا بات ہوئی بھلا؟" عاقِب نے حیرت سے کہا۔

"خوشی کی یہ بات ہے کہ اس کے اندر سمندری بلا نہیں آ سکتی۔ وہ بڑی ہوتی ہے نا۔" نسیم نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔

"مگر تُم یہ بھُول رہے ہو۔" عبر نے نسیم کو یاد دلایا۔ کتّے کی گُم شدگی والی شام کو انور صاحب نے اِسی غار کے اندر سمندری بلا کو جاتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"ہم اُن سے یہ نہ پوچھ لیں کہ کیا وہ سمندری بلا چھوٹے سائز کی تھی؟" عاقب نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

عنبر لکڑی کے تختے کی طرف متوجّہ ہوا جسے ہٹا کے وہ کل دوپہر غوطہ خوروں کی نظروں سے بچے تھے۔

''میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ اِس غار کی وہ جگہ کتنی بڑی ہے جس میں ہم چھُپے تھے۔''

تینوں سُراغ رساں اُس تختے کے نیچے سے ریت ہٹانے لگے۔ چند ہی منٹوں میں تختہ الگ ہو گیا اور وہ اندر چلے گئے۔ یہ حصّہ بھی چھوٹا سا ہی تھا اور آگے جا کے بند ہو جاتا تھا۔ سامنے کی پتھریلی دیوار اُنہیں صاف نظر آ رہی تھی۔

''یہ غار تو بہت ہی چھوٹا ہے۔'' عنبر نے کہا۔ ''کوئی تعجّب نہیں کہ کسی زمانے میں سمگلر یہاں چھُپا کرتے ہوں۔''

''سمگلر؟'' عاقِب گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا۔ ''ہو سکتا ہے یہاں کوئی ہیرا یا کوئی اشرفی مل جائے۔''

”بے کار وقت ضائع نہ کرو۔“ عنبر نے کہا۔ ”اُٹھو۔ سمگلر پیسے کے معاملے میں بہت ہوشیار ہوتے ہیں۔ وہ ایک پیسہ بھی یہاں نہیں چھوڑ کر گئے ہوں گے۔“

عاقِب اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ مگر اُسی وقت وہ حیرت ناک طور پر غائب ہو گیا!

عنبر نے جلدی سے آخری دیوار کے پاس جا کے دیکھا۔ وہاں دیوار کے بالکل نزدیک ریت پر عاقب کے پاؤں کے نشان صاف نظر آرہے تھے۔

”عاقِب! عاقِب! تُم کہاں ہو؟“ عنبر چلّایا۔

”عاقِب! بھی کیا تم پھر دلدل والے گڑھے میں گِر گئے ہو؟“ نسیم نے چیخ کر کہا۔

مگر نسیم اور عنبر کی پُکار کے جواب میں کوئی لفظ نہ سنائی دیا۔ عنبر جھُک کر عاقب کے قدموں کے نشانات کو غور سے دیکھ رہا تھا کہ اچانک پتھریلی دیوار کا ایک حصّہ ملا اور اُس میں سے عاقب نمودار ہوا۔

"کہو، کیسی رہی؟" عاقِب نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"توبہ ہے!" عنبر نے کہا۔ "ہم تو حیران ہو رہے تھے کہ تُم کہاں غائب ہو گئے! بس اب تُم یہ غائب ہونا چھوڑ دو۔"

"یوں لگتا ہے جیسے دیوار کے پاس کوئی خفیہ لیور ہے، جِس کے دبنے سے پتھّر پرے ہٹ جاتا ہے اور راستا بن جاتا ہے۔" عاقب نے اُنہیں سمجھاتے ہوئے کہا۔ "میں پھر اِسے ہٹانے کی کوشش کرتا ہوں۔" اُس نے یہ کہتے ہوئے زمین پر مختلف جگہ پر پاؤں مارے۔ اچانک وہی پتھّر پھر ہلا۔ اُس نے عنبر اور نسیم سے کہا۔ "اندر آؤ۔ میں بھی اندر جارہا ہوں۔ جلدی آؤ۔"

تینوں لڑکے اندر چلے گئے۔ اندر جا کے اُنہوں نے اس غار کا جائزہ لیا۔ یہ غار خاصا بڑا تھا۔ نسیم نے جھُرجھُری لیتے ہوئے کہا۔ "عنبر، اِس غار کے اندر واقعی سمندری بلا آسکتی ہے؟"

عنبر ٹارچ جلائے غار کی دیواروں کا غور سے جائزہ لے رہا تھا۔ ایک دیوار کے پاس جا کے وہ کچھ ٹھٹک گیا۔ اس دیوار کو دیکھ کر مجھے عجیب سا محسوس

رہا ہے!" اُس نے کہا۔

"کیا محسوس ہو رہا ہے؟" نسیم نے پوچھا۔

"یہی تو میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔" عنبر نے کہا اور دیوار پر دو تین بار ہتھیلی ماری۔

"کیا تُم اپنے آپ کو سِکس ملین ڈالر مین سمجھ رہے ہو کہ پتھریلی دیوار کو ہاتھ سے توڑ دو گے؟" عاقب نے کہا۔

"مجھے لگ رہا ہے کہ یہ پتھّر نہیں ہے۔"

"اچھّا، پتھّر نہیں ہے تو پھر نظر کیوں آ رہا ہے؟" نسیم نے کہا۔ پھر اچانک وہ جھُرجھُری لیتے ہوئے بولا۔ "اب ہمیں واپس چلنا چاہیے۔ مجھے تو ٹھنڈ سی لگ رہی ہے۔"

"ہاں۔ بالکل یہی بات میں محسوس کر رہا ہوں۔" عنبر نے آنکھیں جھپکتے ہوئے کہا۔ "اس آخری دیوار کے پاس آ کر دیکھو۔ یہ غار کے باقی حصّوں

کی نسبت گرم محسوس ہو رہی ہے۔"

"ہو سکتا ہے اور کوئی باورچی خانہ ہو جہاں چولہا جلتا ہو یا ہیٹر استعمال کیا جاتا ہو۔" عاقب نے کہا اور دیوار کے پاس جا کر اُس پر ہاتھ رکھ کر دیکھنے لگا۔

"یہ حرارت تو بڑھتی جا رہی ہے۔" عاقِب نے کہا۔ "یقین نہ ہو تو دیکھ لو۔"

"تُم ٹھیک کہتے ہو۔" عنبر نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ یہ دیوار بھی کھلنے والی ہے اور ہم ذرا سی کوشش سے اِسے کھولنے والا لیور دریافت کر سکتے ہیں۔"

"نہیں۔" نسیم نے کہا۔ "ہر پتھّر کی دیوار کھُلنے والی نہیں ہوتی۔"

عنبر نے اُس کی بات سُنی اَن سُنی کر دی اور جیب سے ایک چھوٹا سا چاقو نکال کر دیوار کے ایک حصّے کو کھُرچ کھُرچ کر دیکھنے لگا۔

"تُم محض اپنے چاقو کی دھار خراب کرو گے اور فائدہ نہیں ہو گا۔ عاقب نے کہا۔ "یہ دیوار تو صاف پتھّر کی نظر آ رہی ہے۔"

لیکن اُسی لمحے عنبر چاقو ہاتھ میں لیے فاتحانہ انداز سے نسیم اور عاقب کی

طرف مُڑا اور اِس سے پہلے کہ وہ چاقو کے پھل پر لگے ہوئے روغن کے بھورے ذرّات اُنہیں دکھاتا وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ غار میں ایک راستا نمودار ہو رہا ہے! اُس طرف جِدھر سے وہ نہیں آئے تھے!

"غار کھُل رہا ہے۔۔۔نہ جانے کیسے؟" عنبر نے گھبرا کے کہا۔

عاقِب اور نسیم بھی جلدی سے پیچھے مُڑے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ غار میں واقعی راستا سا بن رہا تھا۔

راستا آہستہ آہستہ بڑا ہوتا جا رہا تھا اور ایک منٹ بعد وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ اب اُنہیں سمندر کی طرف سے آنے والی ہوا محسوس ہو رہی تھی اور باہر کی روشنی بھی دھیمی دھیمی نظر آنے لگی تھی۔ تینوں سُراغ رساں حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُس راستے کو دیکھ رہے تھے۔ یکایک عنبر نے کہا۔ "جلدی کرو! ہمیں پہلے والے راستے سے واپس چھوٹے غار میں چلے جانا چاہیے۔"

عاقِب نے دیوانوں کی طرح مختلف جگہوں پر ہاتھ پاؤں مارے لیکن غار کا وہ راستا نہ کھُلا جِدھر سے وہ آئے تھے۔ عنبر اور نسیم بھی اُس کو کھولنے کی

کوشش کرنے لگے۔

"جلدی کرو۔" عنبر نے کہا۔ "اس سے پہلے کہ نئے راستے سے پھر کوئی غوطہ خور آجائے، ہمیں وا۔۔۔وا۔۔۔واپس جا۔۔۔جا۔۔۔"

"تمہارا ریکارڈ اٹک کیوں گیا، بھائی؟" نسیم نے ہنس کر کہا۔ لیکن پھر جو مُڑ کر عنبر کی طرف دیکھا تو خود بھی دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔

اور جب عاقِب نے اُدھر دیکھا تو وہ بھی نظریں وہاں سے نہ ہٹا سکا۔

دُور سمندر کی طرف سے دو ٹارچیں غار کے اندر چلی آرہی تھیں، جُوں جُوں وہ آگے آرہی تھیں، تُوں تُوں اُن کی جسامت بڑھتی جارہی تھی۔ اور اب وہ غار میں داخل ہو گئیں تھیں۔

یہ ٹارچیں نہیں تھیں۔ جو نہی عنبر کو یہ محسوس ہوا، اُس نے سر کو جھٹک کے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ "نسیم! عاقب! کیا جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں، تمہیں بھی وہی نظر آرہا ہے؟"

"ہ۔۔۔ہ۔۔۔ہاں۔" نسیم نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ "بلکہ مجھے تو آوازیں بھی آرہی ہیں۔"

اب اُنہیں صاف نظر آ گیا تھا کہ کیا چیز غار کے اندر آرہی تھی۔۔۔۔ یہ چیز بہت بڑی تھی۔ اُس کی ٹارچوں جیسی آنکھیں تھیں۔ وہ لمبی سی زبان اِدھر اُدھر لہرا رہی تھی اور اُس کی آواز ایسی تھی جیسے کوئی بھُوت کھانس رہا ہو۔

"یہ۔۔۔ یہ تو سمندری بلا ہے!" نسیم نے کہا۔

"ہاں۔" عنبر بولا۔ "اب ہمیں غار کے دوسرے راستے سے باہر نکلنا ہو گا۔۔۔ عاقب! خُدا کے لیے جلدی سے راستا ڈھونڈو!"

اصلی نقلی

”آ۔۔۔۔ ہا۔۔۔۔ آخ۔۔۔۔ آ۔۔۔۔ ہا۔۔۔۔ آخ۔۔۔۔“ سمندری بلا چلّا رہی تھی۔ اُس کے مُنہ سے آگ کی لپٹیں سی نکل رہی تھیں۔

”جلدی کرو، عاقِب!“ نسیم کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا۔ ”خُدا کے لیے جلدی سے راستا ڈھونڈو!“

قدرت نے جیسے نسیم کی اِلتجا سُن لی۔ اچانک عاقِب کو لیور مل گیا اور غار کا وہ راستہ کھُل گیا جِدھر سے تینوں سُراغ رساں یہاں آئے تھے۔ اب وہ

اندھا دھند اس راستے سے واپس اس چھوٹے غار میں آ گئے اور اس راستے کو بند کر دیا۔ اس کے بعد وہ بڑے غار میں چلے گئے اور لکڑی کے تختے کو پھر سے کھڑا کر دیا اور چند مُٹھّی ریت اُس کے نیچے ڈال کر اُسے ٹکا دیا۔

"اب، اب یہاں سے بھاگو!" عنبر نے کہا۔

"کِد۔۔۔ کِدھر؟" نسیم بولا۔ "سڑک پر۔" عنبر چیخا، اور پوری رفتار سے بھاگ کھڑا ہوا۔ "جہاں اللہ داد ہمارا انتظار کر رہا ہے۔"

غار سے کار تک کا سفر جو پہلے اُنہوں نے بیس منٹ میں طے کیا تھا، اب دس منٹ میں کر لیا۔ جب یہ لوگ کار کے پاس پہنچے تو بُری طرح ہانپ رہے تھے۔

"بھ۔۔۔ بھ۔۔۔۔ بھئی اللہ دا۔۔۔ آ۔۔۔ آ۔۔۔ آؤ!"

عنبر نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "و۔۔۔ و۔۔۔ وا۔۔۔ پس۔۔ چلو!" ہلکی سے گھرررر کی آواز سے کار اسٹارٹ ہو گئی۔

"تم نے دیکھا عنبر، اُس کی آنکھیں کِس طرح چمک رہی تھیں!" عاقب نے حواس درست ہونے کے بعد کہا۔ اِس وقت مرسیڈیز کار شاداب نگر جانے والی

سڑک پر تیزی سے رواں دواں تھی۔

"ہاں، اور اُس کے منہ سے آگ کے شُعلے نکل رہے تھے!" نسیم نے کہا۔ "کیوں، عنبر؟"

عنبر نے نہ تو عاقِب کی بات سُنی تھی اور نہ نسیم کی۔ وہ اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے اپنا ہونٹ مسلنے میں مصروف تھا۔ وہ صرف اُس وقت کیا کرتا تھا جب وہ کچھ سوچنے میں مصروف ہو۔ کار میں بیٹھنے کے بعد سے اب تک وہ خاموش تھا، بلکہ شاید غار سے بھاگنے کے بعد سے اب تک وہ کچھ نہیں بولا تھا۔

"کیا بات ہے، عنبر، تُم گُم سُم کیوں بیٹھے ہو؟" نسیم نے پوچھا۔

”اور کیا سوچ رہے ہو؟“ عاقِب نے عنبر کا کندھا زور سے ہلاتے ہوئے کہا۔

لیکن عنبر خاموش بیٹھا کچھ سوچتا ہی رہا۔ نسیم نے تنگ آکر موضوع بدل دیا اور مزاحیہ انداز میں کہنے لگا۔ ”بھئی، عنبر۔ میں تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنا تیز بھاگ سکتے ہو!“

”میں واقعی اتنا تیز نہیں بھاگ سکتا۔“ عنبر نے ہونٹ پر سے انگلیاں ہٹاتے ہوئے کہا۔ ”بس یوں سمجھو کہ زندگی میں ایک بار اِتّفاقاً بھاگنا پڑ گیا۔“ عنبر کے فقرے پر نسیم اور عاقب دونوں ہنسنے لگے۔

”پھر اب کیا کرنا چاہیے؟“ عاقِب نے پھر بات اُسی موضوع کی طرف پلٹ دی۔

”میں بتاتا ہوں۔“ نسیم نے دایاں ہاتھ ہوا میں لہراتے ہوئے کہا۔ ”سیدھا سادہ ایک ٹیلی فون انور صاحب کو اور چھٹّی۔

”نہیں۔ تم جانتے ہو تین ننّھے سُراغ رساں کبھی ہمّت نہیں ہارتے۔“ عنبر

نے کہا۔ ”وہ تمام کیس یاد کرو جو اب تک ہم حل کر چکے ہیں۔ کیا ہم نے پہلے کبھی ہمّت ہاری؟ اور کیا ہمیں بھُوتوں تک سے واسطہ نہیں پڑا۔“ عنبر کا اشارہ ضیغم خان کے نیلے بھُوت، زمرّد کے سبز بھُوت اور ڈھانچوں کے جزیرے پر لڑکی کے بھُوت کی طرف تھا۔ ننّھے سُراغ رساں یہ سب معاملے بڑے اچھّے طریقے سے حل کر چکے تھے۔

”لیکن عنبر، تم ایک بات بھول رہے ہو۔“ نسیم بولا۔

”کیا؟“

”اس سے پہلے ہمارا پالا سمندری بلا سے کبھی نہیں پڑا!“ نسیم نے کہا۔ ”اور سمندری بلا انسان کو کھا جاتی ہے۔“

”تُم تو بھُوتوں سے بھی ایسے ہی ڈرا کرتے تھے۔“ عنبر نے کہا۔ ”اور اُس وقت بھی بات بات پر بھاگتے تھے۔“

”اچھّا، یہ بتاؤ کہ اب کیا کرنا ہے؟“ عاقِب نے عنبر اور نسیم کی نوک جھونک

سے اُکتاتے ہوئے کہا۔

"ہم ایک بار پھر غار میں جائیں گے!"

"نا بابا نا" نسیم نے سیٹ پر اُچھلتے ہوئے کہا۔ "میں سندری بلا سے دوسری ملاقات کرنا بالکل پسند نہیں کروں گا۔"

"میں تو کروں گا۔" عنبر بولا۔ "کیونکہ سمندری بلا اصلی نہیں ہے۔"

"اگر اصلی نہیں ہے تو اتنے زیادہ خوف زدہ کیوں ہوئے کہ دوڑنے میں ہم سے بھی بازی لے گئے؟" نسیم نے پوچھا۔

"تمہاری بات کا جواب یہ ہے کہ سمندری بلا مشینی ہے۔" یہ کہہ کہ وہ ایک لمحے کے لیے رُکا اور پھر بولا۔ "پہلی بار اِس قسم کی چیز دیکھ کر تو کوئی بھی ڈر سکتا تھا۔ یہ ایک قدرتی بات تھی۔۔۔ ظاہر ہے آج تک ہم اِس قسم کی چیز کو فرضی سمجھتے آئے تھے اور جب وہ ایک دم ہمارے سامنے حقیقت بن کر آ گئی تو ہم حیران ہو گئے اور حیرت و خوف کے مارے وہاں سے بھاگ

کھڑے ہوئے۔ یہ بات تو میں نے اب راستے میں سوچی ہے کہ وہ بلا مشینی ہی ہو سکتی۔"

"لیکن یہ تو تمہارا خیال ہی ہے۔" نسیم نے کہا۔ "تمھارے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔"

"ثبوت؟" عبر نے ہونٹ مسلتے ہوئے کہا۔ "تمہیں یاد ہے تُم نے غار میں لکڑی کے تختے دیکھے تھے؟"

"ہاں۔" نسیم اور عاقِب نے ایک ساتھ کہا۔

"فی الحال میں اِسی بات پر غور کر رہا ہوں۔ وہ تختے کسی انسان نے ہی وہاں لگائے ہوں گے۔ اِس کے علاوہ اندر کے غار کا خفیہ راستہ کھولنے کا لیور بھی کِسی آدمی نے ہی بنایا ہو گا۔ اِسی لیے اِس بات کا امکان ہے کہ سمندری بلا بھی نقلی یعنی مشینی ہو۔"

"مگر یہ تو کوئی ثبوت نہ ہوا۔" نسیم نے کہا۔

”اصل ثبوت تو اس وقت میرے پاس نہیں۔“ عنبر بولا۔ ”وہ میں کل تمہیں غار میں دکھاؤں گا۔“

”نا بھئی نا۔“ نسیم چلّایا۔ ”میں ثبوت لینے غار میں کبھی نہ جاؤں گا۔ خوش قسمتی ہر دفعہ انسان کا ساتھ نہیں دیتی۔ اگر ہم اِس وقت وہاں سے زندہ بچ کر آ گئے ہیں تو اِس کا یہ مطلب نہیں کہ کل بھی بچ کر آ جائیں گے۔“

”بھئی، میں شرط لگا سکتا ہوں کہ ہم کل بھی بچ کر آ جائیں گے اور سمندری بلا ہمیں نہیں کھائے گی۔“ عنبر نے کہا۔

”اونہوں۔“ نسیم نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”میں نہیں مانتا۔ اور جب بلا ہمیں کھا ہی جائے گی تو یہ کیسے پتا چلے گا کہ ہم میں سے کون ہارا اور کون جیتا۔ اس لیے شرط کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔“

”بہر حال، یہ تمہاری مرضی ہے۔ میں تو کل شام کو پھر غار میں جاؤں گا۔“ عنبر نے فیصلہ کُن لہجے میں کہا۔ ”اور میرا خیال ہے کہ کل شام میں سمندری بلا کی اصلیت معلُوم کرنے میں کام یاب ہو جاؤں گا۔“

”پھر تو مجھے بھی جانا پڑے گا۔“ عاقِب نے کہا۔ ”آخر میں تمہیں اکیلا موت کے منہ میں جاتے کیسے دیکھ سکوں گا؟“

”تمہارا خیال ہے، میں دیکھ سکوں گا۔“ نسیم نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

”میں بھی چلوں گا۔“

خوف ناک تصویریں

تمام رات نسیم کو سمندری بلاؤں کے خواب دکھائی دیتے رہے۔ اس نے دیکھا کہ وہ ایک ایسے غار میں ہے جس میں چاروں طرف دروازے ہیں اور پھر اس کے اندر نہ جانے کہاں سے ایک سمندری بلا آ جاتی ہے۔ وہ ایک دروازے کی طرف جاتا ہے تاکہ باہر بھاگ جائے مگر اس کے نزدیک جاتے ہی دروازہ اچانک بند ہو جاتا ہے۔ وہ دُوسرے دروازے کی طرف جاتا ہے تو وہ بھی بند ہو جاتا ہے۔ باقی دروازے بھی اِسی طرح بند ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد سمندری بلا اس کی طرف آگ کی لپٹیں پھینکتی

ہے، جس کی گرمی سے اُسے پسینا آجاتا ہے۔ وہ چیخ مارنا چاہتا ہے کہ اچانک نہ جانے کہاں سے اُس کی امّی کی آواز آتی ہے جو کہہ رہی ہیں، ''کب تک سوتے رہوگے؟ اُٹھو، ناشتا کرلو۔''

نسیم ہڑبڑا کر اُٹھا تو اُس نے دیکھا کہ امّی سچ مچ اُسے ناشتے کے لیے جگا رہی ہیں۔ اُس نے جلدی جلدی ناشتا کیا اور پھر خفیہ ہیڈ کوارٹر کی طرف روانہ ہو گیا۔

عاقِب اور عنبر پہلے سے وہاں موجود تھے۔ عنبر پلاسٹک کے کچھ ٹکڑوں پر چھوٹی چھوٹی تصویریں بنانے میں مصروف تھا۔

''یہ کیا بنارہے ہو؟'' نسیم نے پوچھا۔

''تصویریں بنارہا ہوں۔'' عنبر نے جواب دیا۔

''وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں۔'' نسیم بولا۔ ''مگر آخر یہ بھی تو پتا چلے کہ یہ ڈرائنگ کرنے کا کون سا وقت ہے؟''

"صُبح کا وقت ہر کام کے لیے اچھّا ہوتا ہے۔" عنبر اطمینان سے بولا۔

"اُفّوہ! بھئی یہ تصویریں آخر کس کے لیے بنا رہے ہو؟" نسیم نے جھنجھلا کے پوچھا۔

"ہاں، اب تم نے صحیح بات پُوچھی۔" عنبر نے داد دیتے ہوئے کہا۔

"مگر اُس کا جواب بھی تو دو۔" نسیم نے بے صبری سے پوچھا۔ "اِتنے بے صبر نہ بنو۔" عاقب نے کہا۔ "میں تمہارے آنے سے پہلے پانچ چھ مرتبہ یہی بات پوچھ چکا ہوں مگر ابھی تک مجھے جواب نہیں ملا۔"

"لیکن میں تو جواب لے کر رہوں گا۔" نسیم چلّایا۔ "ورنہ ابھی جا کے خالہ جان سے کہہ دُوں گا کہ عنبر ایک بہت ہی خطرناک سمندری بلا سے دوسری بار ملاقات کرنے جا رہا ہے۔"

"نہیں، تُم اُن سے کچھ نہیں کہو گے۔" عبر نے سر اُٹھا کر نسیم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں بتائے دیتا ہوں کہ یہ تصویریں کیوں اور کِس لیے

بنا رہا ہوں۔"

عنبر اپنی خالہ جان کا بہت احترام کرتا تھا اور اُدھر خالہ جان اُس کا اور اس کے دوستوں، نسیم اور عاقب کا بُہت خیال رکھتی تھیں۔ اگر اُنہیں ذرا بھی پتا چل جاتا کہ عنبر کسی غار کے اندر سمندری بلا دیکھ چکا ہے اور پھر دوبارہ وہاں جارہا ہے تو وہ کبھی اُسے وہاں نہ جانے دیتیں۔ اِسی لیے عنبر جواب دینے پر تیّار ہو گیا تھا۔

"یہ تصویریں میں سمندری بلا کے لیے بنا رہا ہوں۔" عنبر نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "سمندری بلا کے لیے؟" نسیم نے حیرت سے کہا۔ "کیا کل شام اُس نے تمھیں بتایا تھا کہ وہ کیسی تصویریں پسند کرتی ہے؟"

نسیم کی اِس بات پر عنبر ہنس پڑا اور بولا۔ "میں سچ کہہ رہا ہوں کہ میں یہ تصویریں سمندری بلا کے لیے بنا رہا ہوں۔"

"تُم اُلّو کسی اور کو بنانا۔" عاقِب نے جل کر کہا۔ "تمھیں سمندری بلا کے بارے میں یہ کس نے بتا دیا کہ وہ پلاسٹک کے ٹکڑوں پر بنی ہوئی عجیب و

غریب تصویریں پسند کرتی ہے؟"

"عنبر! اب بتادونا کہ یہ کیا چکّر ہے؟" نسیم روہانسا ہو گیا۔

"صبر کرو، صبر۔" عنبر نے کہا۔ "یہ تصویریں میں اِس لیے بنارہا ہوں کہ سمندری بلا اُنہیں دیکھ کر خوف زدہ ہو جائے۔"

"اور ہم پر چڑھ دوڑے!" نسیم نے کہا۔

"لو، میں تمہیں پوری تفصیل بتائے دیتا ہوں۔" عنبر نے کہا۔ "آرام سے سنو۔ بیچ بیچ میں ٹوکنا مت۔"

عنبر نے اُنہیں بتایا کہ وہ ان تصویروں کو اُس ٹارچ جیسے پروجیکٹر (سنیما کی مشین) کے آگے لگا کے (جو اُسے سبز بھُوت والے کیس میں ملا تھا) سمندری بلا کے غار کی دیوار پر دکھائے گا۔ چونکہ سمندری بلا نقلی ہے، اِس لیے اُس کے اندر کوئی نہ کوئی چلانے والا ضُرور ہو گا اور جب وہ اچانک یہ تصویریں دیکھے گا تو اُنہیں حقیقت سمجھے گا جس سے اُس کا بھانڈا پھوٹ

جائے گا۔"

"یہ تو بہت اچھا پروگرام ہے۔" نسیم نے کہا۔ "اِسے کہتے ہیں، سیر کو سوا سیر"

"عاقِب، تُم کِنگ موٹر کمپنی کو فون کر دو کہ اللہ داد کے ہاتھ مرسیڈیز کار آج شام ٹھیک چار بجے کریم انٹرپرائز بھیج دیں۔" عنبر نے کہا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

شام کے ٹھیک چار بجے لمبا تڑنگا اللہ داد بے داغ وردی پہنے کریم انٹرپرائز کے سامنے مرسیڈیز کار لے کر پہنچ گیا اور مخصوص انداز میں ہارن بجا کر اپنے آنے کی اطلاع دی۔ پانچ منٹ کے اندر اندر تینوں سُراغ رساں کیل کانٹے سے لیس ہو کر کار میں جا بیٹھے۔

"کہاں چلوں، صاحب؟" اللہ داد نے پوچھا۔ "خان گڑھ۔" عنبر نے کہا "اُسی سڑک پر جہاں تم ہیں دو بار لے جا چکے ہو۔"

"بہتر، صاحب۔" اللہ داد نے کہا۔ اُسی لمحے کار ایک ہلکی سی، نازک سی، آواز کے ساتھ اسٹارٹ ہو گئی اور شاداب نگر سے خان گڑھ جانے والی سڑک پر دوڑنے لگی۔

"آخر تمہیں اس بات پر اتنا یقین کیوں ہے کہ وہ سمندری بلا اصلی نہیں؟" عاقب نے سوال کیا۔

"اِس کی دو وجہیں ہیں۔" عنبر نے کہا۔ "ایک تو یہ کہ سمندری بلاؤں کا دور لاکھوں کروڑوں سال پہلے کبھی دنیا میں ہوتا تھا، آج کل نہیں۔"

"یہ تو کتابی باتیں ہیں۔" نسیم نے کہا۔ "اور کتابیں لکھنے والوں کو خان گڑھ کے اس غار میں آنے کا کبھی اتّفاق نہیں ہوا ہو گا۔ اور یوں بھی یہ بات یورپ اور امریکہ کے سائنس دانوں نے ہی لکھی ہے نا؟ اُن بے چاروں کو کیا پتا کہ ایشیا کے ایک ملک میں ایک عدد بچی کھُچی سمندری بلا ابھی موجود ہے۔"

عنبر نے بڑی مُشکل سے ہنسی روکتے ہوئے کہا۔ "اچھّا، یہ بات چھوڑو۔

دوسری بات یہ ہے کہ تمہیں یاد ہو گا کہ میں غار کی اندر والی دیوار کو چاقو سے کھُرچ رہا تھا؟"

"ہاں۔" نسیم نے کہا۔ "اور یقیناً اس کی دھار پتھّر سے رگڑ رگڑ کر خراب ہو گئی ہو گی۔"

"نہیں۔" عنبر نے چاقو جیب سے نکال کر دکھاتے ہوئے کہا۔ "اس کی دھار بالکل خراب نہیں ہوئی۔ اس پر کسی روغن کے کچھ ذرّات لگ گئے تھے جو ابھی تک اُس پر موجود ہیں۔"

نسیم اور عاقِب نے چاقُو ہاتھ میں لے کر دیکھا۔ عنبر سچ کہہ رہا تھا۔ اُس پر واقعی سلیٹی رنگ کے روغن کے ذرّے لگے ہوئے تھے۔

"لیکن وہاں غار میں روغن کہاں سے آ گیا؟" عاقِب نے پوچھا۔

"یہی تو وہ اہم وجہ ہے جس کے باعث میں سمندری بلا کو اصلی ماننے سے انکار کر رہا ہوں۔" عنبر نے کہا۔

”وہ کیسے ؟“نسیم بولا۔ ”اس روغن کا سمندری بلا سے کیا تعلّق ؟“

”تعلّق ہے۔“عنبر نے زور دے کر کہا۔ ”اس روغن کا یہ مطلب ہے کہ جس جگہ پر پتھّر کی دیوار سے وہ غار بند ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے، وہاں وہ بند نہیں ہوتا بلکہ اس سے بھی بڑا غار اِس دیوار کے آگے موجود ہو گا۔ اُس غار کے بیچوں بیچ پتھّر جیسی نقلی دیوار بنا کے دونوں حصّوں کو علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ پتھّر کی وہ دیوار اصلی نہیں ہے۔

”پھر وہ کس چیز کی ہے ؟“

”کسی بھی چیز کی ہو سکتی ہے، لکڑی کی، ہارڈ بورڈ کی، جس پر پتھّر کے ٹکڑے چپکا کر اُسے پتھّر کی دیوار بنایا گیا ہے اور آخر میں پھر جیسے رنگ کا روغن کر دیا گیا ہے، بالکل ایسے جیسے فلموں میں سیٹ بناتے ہیں۔“

”ہو سکتا ہے۔“نسیم نے کہا۔

”اس کے علاوہ تُم نے دیکھا تھا کہ سمندری بلا غار کے ہی کسی راستے سے

اندر آئی تھی، اور وہ راستہ ہمیں باہر سے نظر نہ آیا تھا۔"

"ہاں، یہ تو ٹھیک ہے۔" عاقِب بولا۔

"اس کے علاوہ غار کے اندر ایک عدد لیور سے ہٹنے والا پتھّر بھی تھا۔"

"ہاں، بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ وہ پتھّر جو لیور سے ہٹتا تھا، نقلی ہو گا، جیسے پتھّر کی وہ دیوار نقلی ہو سکتی ہے۔" عاقب نے کہا۔ "مگر عنبر، ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔" نسیم نے بھُولا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔ "جب یہ سب باتیں تمہیں معلوم تھیں تو تُم بھی ہماری طرح کیوں بھاگ کھڑے ہوئے تھے؟"

"ہاں، یہ بات تم پوچھ سکتے ہو۔" عنبر نے کھسیانا سا ہو کر کہا۔ "دراصل یہ باتیں تو میں نے بعد میں سوچی ہیں۔ میں بھی تمہاری طرح لڑکا ہی ہوں، اور جب میں نے بلا کو اپنے اتنا نزدیک دیکھا تو اُس کو اصل سمجھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ آج اللہ نے چاہا تو سمندری بلا کا راز معلوم کر کے ہی دم لوں گا۔"

”اگر یہ بات ہے تو وہ پُراسرار ٹیلے فون بھی اُسی شخص کا ہو گا جس نے یہ سارا چکّر چلا رکھا ہے۔“

”ہاں، تمہاری بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔“ عاقِب نے کہا۔ ”اس نے اپنی آواز ایسے بنالی تھی جیسے سمندری بلا خود بول رہی ہو۔“

”لیکن اس سارے قصّے میں وہ دو پُراسرار اور خوف ناک غوطہ خور کہاں سے آ ٹپکے جن کے نام بلّا اور جانُو تھے اور جنہوں نے ہمیں مارنے کی کوشش کی تھی۔“ نسیم نے پوچھا۔

”یہ بات ابھی غور طلب ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”بظاہر تو اُن کا تعلّق سمندری بلا سے ہی لگتا ہے۔ جو شخص سمندری بلا اور ٹیلے فون کے پیچھے کام کر رہا ہے، وہی اُن دونوں آدمیوں سے کام لے رہا ہو گا۔“

”ہاں، لگتا تو یہی ہے، ورنہ وہ لوگ تین سیدھے سادے لڑکوں کو، سیدھے سادے غار کے باہر دیکھ کر، نیزے پھینکنے والی بندُوق سے نشانہ بنانے کی کوشش کیوں کرتے؟“

خان گڑھ پہنچ کر عنبر نے اللہ داد سے کہا۔ ”ہمیں کل والی جگہ پر نہیں جانا۔ اس سے پہلے ہی اُتار دیا۔“

”کیوں؟“ نسیم نے پوچھا۔ ”کیا پیدل چلنے سے ہمیں کوئی خاص فائدہ ہو گا؟“

”ہاں۔“ عنبر نے کہا۔ ”تم بھُول رہے ہو کہ کل اِسی کار میں ہم دو بار یہاں آ چکے ہیں۔ میں تیسری بار اِس کار کو اُس جگہ کھڑی کروا کر اُن لوگوں کو اپنی طرف متوجّہ کرنا نہیں چاہتا۔“

”ٹھیک ہے۔“ عاقِب نے کہا۔ ”لیکن اِس سِلسِلے کے پیچھے جو کوئی آدمی بھی ہے، اُسے غار میں ہمارے کل دوبارہ جانے کا پتا تو چل گیا ہو گا، کیونکہ کل گھبراہٹ میں ہمارا ٹیپ ریکارڈر اور کیمرا وہیں گیا تھا۔

”مجھے معلوم ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”میری رسّی بھی وہیں رہ گئی تھی۔ خیر، کوئی بات نہیں۔ ہم اپنی چیزیں بھی واپس لے آئیں گے۔“

عنبر، نسیم اور عاقِب سیڑھیوں سے اُتر کر نیچے ساحل پر پہنچے تو شام گہری ہو چلی تھی اور رات کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔

اچانک عنبر نے کہا۔ ”ہوشیار! مُجھے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی ہے!“

”لگتا ہے۔ کوئی ہمارا پیچھا کر رہا ہے۔“ نسیم نے سُننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”ہمیں چھُپ جانا چاہیے۔“ عاقِب نے تجویز پیش کی۔

”میرا خیال ہے ہمیں اپنے دائیں ہاتھ کی طرف اُگی ہوئی جھاڑیوں میں چھُپ جانا چاہیے۔“ عنبر نے آہستہ سے کہا۔ ”فی الحال ہم غار کے اندر نہیں جائیں گے۔“

وہ تینوں جلد ہی آس پاس کی جھاڑیوں میں چھُپ کر بیٹھ گئے۔

قدموں کی چاپ ابھی خاصی دُور تھی۔ چند منٹ تک یہ چاپ دُور ہی رہی،

پھر اچانک اُن کے نزدیک آئی گئی۔

"وہ آدمی اِدھر ہی کو آرہا ہے۔" عنبر نے نسیم کو بتایا۔

چاپ اب اور نزدیک آتی جارہی تھی۔ اور نزدیک، اور نزدیک۔ اب وہ آدمی اُن جھاڑیوں کے قریب پہنچ سکا تھا جہاں سے سُراغ رساں چھُپے ہوئے تھے اور وہ اُسے دیکھ سکتے تھے۔ وہ ایک بھاری بھرکم آدمی تھا، اور اُس سے یہ لوگ کل ہی مِل چکے تھے۔

وہ قدیر تھا۔ اُس کے ہاتھ میں دو نالی بندوق تھی۔ کافی دیر تک وہ اِدھر اُدھر ٹہلتا رہا۔ پھر بھاری بھرکم آواز میں بُڑبُڑایا۔ "حیرت ہے! میرا خیال تھا کہ وہ تینوں ننّھے شیطان یہیں ہوں گے۔ مگر یہاں تو کوئی بھی نہیں! لا حول ولا۔۔۔۔!"

سوئی ہوئی بلا

تینوں سُراغ رساں جھاڑیوں میں دم سادھے بیٹھے رہے۔ قدیر دس بارہ منٹ تک اِدھر اُدھر گھومتا رہا اور اُس کے قدموں کی چاپ آتی رہی۔ اِس کے بعد آواز آنا بند ہو گئی۔ وہ کہیں چلا گیا تھا۔

سب سے پہلے عنبر جھاڑیوں میں سے باہر نکلا اور اِدھر اُدھر نظر دوڑا کر کہنے لگا۔ ”اب تُم بھی نِکل آؤ نسیم اور عاقب، قدیر واپس چلا گیا ہے۔“

”اُفّوہ!“ نسیم نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ ”میری تو ڈر کے مارے جان ہی نکلی جا

رہی تھی۔ آج بھی دونالی بندوق اُس کے ہاتھ میں تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ اسے باتوں میں پکڑے پکڑے سوتا ہو گا۔"

"اب باتوں میں وقت ضائع نہ کرو۔" عنبر نے کہا۔ "ہمیں جلدی سے غار میں جانا چاہیے۔"

غار کے اندر جانے میں اُنہیں کوئی خاص دقّت محسوس نہ ہوئی۔ اُن کے پاس ٹارچیں تھیں، اِس لیے گڑھے میں گِرنے کا بھی اندیشہ نہ تھا۔ لکڑی کے تختے بند تھے۔ چند منٹ میں ریت ہٹا کے عنبر نے لکڑی کا ایک تختہ نکال لیا اور تینوں اندر والے غار میں چلے گئے، جس کے اندر پھر ایسی مصنوعی دیوار بنی ہوئی تھی۔

تینوں سُراغ رساں پہلے تو اُس دیوار کو غور سے دیکھتے رہے اور جب یہ یقین ہو گیا کہ یہ واقعی نقلی ہے تو اُسے ہٹانے کا لیور تلاش کرنے لگے۔ آخر عاقب کا پاؤں لیور پر اچانک پڑ گیا اور راستہ کھل گیا۔

"بھئی عاقِب، یہ تُم نے ہی اِس لیور کو ہلانے کا ٹھیکا کیوں لے رکھا ہے؟"

نسیم نے کہا۔ عاقب ہنسنے لگا۔

مگر عنبر نے یہ بات بالکل نہ سُنی۔ وہ اپنے کام میں مصروف رہا۔ اُس نے غار کے اندر سے ایک ٹکڑا اُٹھا کر کھُلے ہوئے راستے میں اڑا دیا تاکہ جب تک وہ ٹکڑا اہٹایا نہ جائے، راستہ بند نہ ہو۔ وہ پتھّر کا ٹکڑا اُٹھانے کے لیے جھکا تھا تُو اُس نے غار کے اندر ریت پر کچھ نشانات دیکھے تھے۔ راستے کے اندر پھر اَڑا کر وہ پھر ان نشانات پر جھُک گیا۔ عاقب اور نسیم بھی ان کو دیکھنے لگے۔

"مجھے تو یہ ٹائروں کے نشان معلوم ہوتے ہیں۔" عنبر نے اُنہیں بتایا۔

"یاد ہے، عنبر؟" عاقِب نے کہا۔ "کل ہم نے ساحل کی ریت پر بھی ٹائروں کے کچھ نشانات دیکھے تھے، جن کا رُخ اِدھر ہی کو تھا۔"

"ہاں، اور جانتے ہو اِس کا کیا مطلب ہے؟" عنبر نے پوچھا۔

"یہی کہ کوئی آدمی جیپ کے ذریعے اِس غار میں آیا ہے، یا غار میں سے گیا ہے۔" عاقب نے سوچے ہوئے کہا۔

”نہیں، میرا خیال ہے کہ سمندری بلا کے پاؤں نہیں ہیں۔“عنبر نے کہا۔
”وہ ٹائروں پر چلتی ہے۔“

”یہ عاقِب کہاں گیا؟“عنبر نے کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔

”میں غار کے اندر جا رہا ہوں۔“ عاقِب نے ٹارچ جلا کے اُس کی روشنی راستے پر ڈالتے ہوئے کہا۔

”چلو، ہم بھی چل رہے ہیں۔“عنبر بولا۔

اندر پہنچ کر عاقِب نے ٹارچ اِدھر اُدھر گھمائی اور پھر چیخا۔ ”س۔۔۔ سم۔۔۔ سمندری بلا۔۔۔ سو۔۔۔ رہی ہے!“

نسیم نے بھی سمندری بلا کو دیکھا اور ڈر کر عنبر سے لپٹ گیا۔ ”بچاؤ، بچاؤ“ وہ چلّایا۔ صرف عنبر بالکل نہیں ڈرا۔ وہ آگے بڑھ کر سمندری بلا کے بالکل نزدیک جا پہنچا۔

سمندری بلا واقعی سو رہی تھی! اُس کی پلکیں بند تھیں!! وہ آہستہ آہستہ

خرّاٹے بھی لے رہی تھی!!!

"ڈرو نہیں۔" عنبر نے نسیم کو تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ "یہ نقلی ہے۔"

"مگر پھر۔۔۔۔ پھر یہ خرّاٹے کیوں لے رہی ہے؟" نسیم نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"میں نے کہا نا، ڈر کی کوئی بات نہیں۔" عنبر بولا۔ "یہ نقلی ہے۔ البتّہ خرّاٹوں کا مسئلہ ابھی میں سمجھ نہیں سکا۔ آخر کسی کو یہ اتنا بڑا کھڑاک پھیلانے کی کیا ضرورت پیش آئی؟" عاقب نے کہا۔

"اس ضرورت کا پتا تو ہمیں ابھی چلانا ہے۔" عنبر نے کہا۔ "نسیم پہلے تُم میرے ساتھ بیچ والے غار میں چلو۔"

"آؤ، میں تو خود سمندری بلا سے دُور جانا چاہتا ہوں۔ اگر یہ نقلی ہے، تب بھی مُجھے اس کی منحُوس صورت اچھی نہیں لگتی۔" نسیم نے کہا۔

بیچ والے چھوٹے غار میں واپس پہنچ کر عنبر نے نسیم کو ایک کونے میں بٹھا

دیا اور کہا۔ ”جو نہی اس جگہ کوئی آدمی آئے، تُم فوراً پروجیکٹر ٹارچ سے یہ ڈراؤنی تصویریں سامنے کی دیوار پر دِکھانا شروع کر دینا۔ سمجھے؟“

”سمجھ گیا۔ لیکن تُم تو کہتے تھے کہ یہ تصویریں سمندری بلا کو دکھائیں گے؟“ نسیم نے کہا۔

”ہاں، اگر اب تو بلا سو رہی ہے۔ اگر وہ جاگ رہی ہوتی تو ہمیں یہ تصویریں اُسی کو دکھانا پڑتیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”اب ہم یہ تصویریں اُسے دکھائیں گے جس نے سمندری بلا بنائی ہے۔“

”ٹھیک ہے، میں سمجھ گیا۔“ نسیم نے کہا۔ ”لیکن کیا مجھے یہاں اکیلے بیٹھنا ہو گا؟“

”ہاں۔“ عنبر نے دوسرے غار میں جاتے ہوئے کہا۔ ”ویسے میں اور عاقب سمندری بلا کے پاس موجود رہیں گے، تاکہ اُس کا جائزہ لیں۔ اگر تم یہ کام پسند کرتے ہو تو عاقب تمہاری جگہ۔۔۔۔۔۔“

"نہیں نہیں۔" نسیم نے جلدی سے کہا۔ "میں یہیں ٹھیک ہوں۔ تم اور عاقب سمندری بلا کا نزدیک سے معائنہ کر سکتے ہو۔"

جب عنبر سمندری بلا کے قریب پہنچا تو عاقِب اُس کے جسم میں لگا ہوا ایک ہینڈل گھُمانے کی کوشش کر رہا تھا۔ "میرا خیال ہے یہاں کوئی دروازہ ہو گا۔" اس نے عنبر سے کہا۔

عنبر نے غور سے دیکھا۔ وہاں دروازے کا کوئی نشان نہ تھا۔ اس کوشش میں عنبر کا ہاتھ ذرا اور اُوپر ایک اور ہینڈل پر پڑا اور وہ مُسکرانے لگا۔

"ہینڈل نہیں، سیڑھیاں ہیں۔" عنبر نے کہا۔ "میں اوپر جا رہا ہوں۔"

بلا کے جسم کے پہلو میں نیچے اُوپر ہینڈل جیسے لوہے کے کئی حلقے لگے ہوئے تھے اور عنبر اُن پر پاؤں رکھتے ہوئے سمندری بلا کی پیٹھ پر پہنچ گیا۔

"یہاں اُس کے اندر جانے کے لیے ایک گول سوراخ بنا ہوا ہے، جیسے ٹینکوں میں ہوتا ہے۔" عنبر نے عاقب کو بتایا۔ "اب میں اُس کے اندر جا

رہاہوں۔ تُم بھی آ جاؤ۔ “ یہ کہتے ہوئے وہ عاقب کی نظروں سے او جھل ہو گیا۔

عاقِب کو یُوں لگا جیسے سمندری بلا عنبر کو ہڑپ کر گئی ہو۔ اِس خیال کے آتے ہی اُسے جھُرجھُری سی آ گئی اور وہ تیزی سے بلا کے اُوپر چڑھنے لگا۔ جلد ہی وہ بھی اُس گول سُوراخ تک پہنچ گیا اور بولا۔ ”عنبر تم کہاں ہو؟“

عنبر نے آواز دی۔ ”اِس سوراخ کے کناروں پر ایک سیڑھی ہے۔ جب اس پر پاؤں ٹِک جائیں تو تُم اُتر کر نیچے آ سکتے ہو۔“

جلد ہی عاقِب بھی نیچے پہنچ گیا۔ عنبر ٹارچ جلا کر بلا کے پیٹ کے اندر اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

”کمال ہے!“ اُس نے عاقِب سے کہا۔ ”باہر سے دیکھو تو سمندری بلا اور اندر پورا مکان کا مکان!“

یہ جگہ کافی کھلی تھی۔ اسے سِلور سے بنایا گیا تھا اور اُوپر رنگ روغن پھیر کر

سمندری بلا کی کھال بنادی گئی تھی۔"

"عنبر! یہ دیکھو، یہ کیا ہے؟" عاقِب نے عنبر کو آواز دی۔

"یہ ایک ایسی دُوربین ہے جس کے ذریعے باہر کی چیزیں دیکھی جا سکتی ہیں۔" عنبر نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ارے! اِس کا! اس کا مطلب یہ ہے کہ۔۔۔۔ہاں۔۔۔۔ہوں؟

"یہ ہاں ہوں کیا ہوا؟" عاقِب نے جھلّا کر پوچھا۔

"تمھیں یاد ہے، انور صاحب نے کیا بتایا تھا؟"

"اُنھوں نے بتایا تھا کہ اُنھوں نے سمندری بلا کو سمندر میں سے غار کے اندر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"اُنھوں نے ٹھیک ہی دیکھا تھا۔ بالکل ایسے ہی ہوا ہو گا۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ یہ سمندری بلا دراصل ایک چھوٹی سی آب دوز کشتی ہے!"

”کیا مطلب؟“ عاقِب نے حیرت سے منہ پھاڑتے ہوئے پُوچھا۔

”مطلب یہ کہ جس نے بھی اِسے بنایا ہے، وہ اِسے سمندر کے اندر سفر کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ آب دوز کشتی پانی کے اندر ہی اندر چلتی ہے اور اُوپر اُس کی ایک ذرا سی نوک نظر آتی ہے جس میں دور بین لگی ہوتی ہے۔ اسے پیری سکوپ کہتے ہیں، اور اِس کی مدد سے آب دوز کا کپتان راستہ دیکھتا رہتا ہے۔“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہاں کوئی گڑبڑ ہے۔“

”بالکل۔ خُفیہ غار کے اندر، نقلی سمندری بلا، جو دراصل آب دوز کشتی ہے! ایسی چیز کوئی آدمی خوامخواہ نہیں بناتا۔“

”اس کا مطلب ہے کہ ہم

خطرے میں ہیں؟“ عاقِب نے کہا۔ ”آخر جو شخص بھی اس چیز کا مالک ہو گا، وہ یقیناً اسے خُفیہ رکھنا چاہے گا اور کبھی یہ پسند نہ کرے گا کہ لوگ اس

طرح اس کے اندر گھُس جائیں۔“

”تُم ٹھیک کہتے ہو۔“ عنبر نے کہا۔ ”کسی بھی لمحے وہ یہاں آ سکتا ہے، یا آ سکتے ہیں جنھوں نے اِسے بنایا ہے۔ اور اِس صورت میں ہمیں ہر مشکل کے لیے تیّار رہنا پڑے گا!“

عاقِب کے کانوں کی لوئیں سُرخ ہو گئیں اور اُس کا سر سائیں سائیں کرنے لگا۔ ”میں کہتا ہوں ہمیں یہاں سے جھٹ پٹ نکل جانا چاہیے۔“

”نہیں، آخر ایسی بھی کیا جلدی ہے۔“ عنبر نے اطمینان سے کہا۔ ”تم یہ بھول گئے ہو کہ جو بھی یہاں آئے گا، وہ پہلے نسیم کی پروجیکٹر ٹارچ کی ڈراؤنی تصویریں دیکھے گا اور میرا خیال ہے وہ اتنا بہادر نہیں ہو گا کہ اِن خوف ناک تصویروں کو دیکھ کر چُپ چاپ کھڑا مُسکراتا رہے۔“

بے ہوش کتّے

عاقِب کے سر نے یکایک سائیں سائیں کرنا بند کر دیا اور اُس کے کانوں کی لَویں بھی اصلی رنگت پر آ گئیں۔ ”پھر اب ہم کیا کریں گے؟“

”ہم سمندری بلا کے خرّاٹوں کا سُراغ لگائیں گے۔“ عنبر یہ کہہ کر اُدھر بڑھا جِدھر سے خرّاٹوں کی آواز آ رہی تھی۔ یہ ایک الگ کمرا تھا اور سمندری بلا کے پچھلے حصّے میں بنا ہوا تھا۔ آواز اُدھر سے ہی آ رہی تھی۔ جوں جوں وہ کمرے کی طرف بڑھے، وہ عجیب سی آواز نزدیک آتی گئی۔

”آ۔۔ آ۔۔۔ غا۔۔ غُر۔۔۔۔ رررر۔۔۔۔۔ رررر۔“ سمندری بلا خرّاٹے لے رہی تھی۔ ”آ۔۔۔ آ۔۔۔ غا۔۔ آ۔۔۔ غُر۔۔۔ رررر۔۔۔رررر!“

عاقِب کر جھُر جھُری سی آگئی۔ ”مجھے تو ڈر سا لگ رہا ہے اِس آواز سے!“

”ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔“ عنبر نے عاقِب کو تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ ”یہ تو تم دیکھ ہی رہے ہو کہ بلا نقلی ہے۔ پھر وہ خرّاٹے کیسے لے سکتی ہے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے، مگر پھر یہ آواز؟“ عاقِب نے کہا۔

”اس آواز کا راز میری مُٹھّی میں ہے۔“ عنبر نے کہا۔ اور جب عاقب نے دیکھا کہ عنبر اُس کمرے کے دروازے کا ہینڈل پکڑے کھڑا ہے جس میں سے آواز آرہی تھی تو وہ مُسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

عنبر ایک لمحے کو ٹھٹکا، پھر دروازہ کھول دیا اور ٹارچ جلا کر دیکھنے لگا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کمرا خالی ہے، مگر آواز اُسی کمرے میں سے آرہی

ہے۔ عنبر نے ٹارچ اِدھر اُدھر ہلائی، اور آخر کار خرّاٹوں کا راز کھُل گیا۔ فرش پر ایک کونے میں چند کتّے ایک دوسرے کے اوپر لیٹے ہوئے تھے اور عجیب عجیب سی آوازیں نکال رہے تھے۔ ”آ۔۔۔ آ۔۔۔ غا۔۔۔ غُر۔۔۔۔ررر۔۔۔رررر!“

”تو یہ ہیں وہ کتّے؟“ عاقِب نے کہا۔

”ہاں، خان گڑھ کے لوگوں کے گُم شُدہ کتّے۔“

”مگر یہ اِس طرح بے سُدھ کیوں پڑے ہیں؟“ عاقِب نے پوچھا۔

”یوں لگتا ہے کہ اُنہیں نشہ آور دوا کھلائی گئی ہے۔ یہ اس وقت بے ہوش ہیں!“

”کیوں؟“ عاقِب نے پوچھا۔ ”ان لوگوں کو کتّے پکڑنے اور نشیلی دوا کھلانے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟“

”میری سمجھ میں تو ایک ہی بات آتی ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ” یہ کتّے اُس

آدمی کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہوں گے، اِس لیے اُس نے اُنہیں یہاں بند کر دیا ہے۔"

"عنبر!" یکایک عاقِب چیخا۔ "میں کہتا ہوں یہ سارا کام قدیر کا ہے۔ معلُوم ہے، قدیر کتّوں کا کتنا دُشمن ہے۔ پھر تدبیر ہمیں آج یہاں ملا بھی تھا۔ یہ سارا کام مجھے اُسی کا معلُوم ہوتا ہے۔"

"ہاں، اِس بات کا امکان ہے۔" عنبر نے کہا۔ "آؤ، پہلے اِن کتّوں کو یہاں سے نکالیں۔"

"وہ کیسے؟"

"ہم ایک ایک کتّے کو اُٹھا کر باہر لے جائیں گے۔ جب اُنہیں کھُلی ہوا لگے گی تو شاید ہوش میں آ جائیں۔"

عاقِب اور عنبر کتّوں پر جھک گئے۔ اِن میں ایک السیشن نسل کا بھُورا کتّا بھی تھا۔ "میرا خیال ہے یہی انور صاحب کا ٹامی ہے۔" عنبر نے اُس کے

گال کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ ”ٹامی! ٹامی! آنکھیں کھولو، ٹامی! جلدی کرو!“

کتّے نے آنکھیں کھول دیں اور عنبر کی طرف دیکھنے لگا۔

”یہ ٹامی ہے۔“ عاقِب نے کہا۔ ”آؤ ان کو باہر نکالیں اور یہاں سے چلیں۔“

”نہیں، کتّے کو ڈھونڈنے کا کام تو مکمّل ہو گیا ہے مگر ابھی ہمیں ایک اور اہم کام کرنا ہے۔“

”کیا؟“

”ہمیں یہ سُراغ لگانا ہے کہ وہ شخص کون ہے جس نے یہ کام کیا ہے اور سمندری بلا بنائی ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”وہ یقیناً کوئی اچھا آدمی نہیں ہے، کیوں کہ کوئی بھی شریف آدمی نہ تو لوگوں کے کتّے چُرا کر اُنہیں بے ہوش کرتا ہے، اور نہ اِس طرح کی نقلی سمندری بلا بناتا ہے۔“

”ہاں، یہ کام یقیناً کسی خطرناک آدمی کا ہو گا۔“ عاقِب نے کہا۔

”اور اس کام میں اگر قدیر شریک ہے تو شاہین بھی شریک ہو گا۔“ عنبر نے کہا۔

”وہ کیسے؟“

”وہ اِس طرح کہ شاہین سائنسی تجربے کرنے کا شوقین ہے۔ جب ہم اُس کے گھر گئے تھے تو ہم نے وہاں عجیب و غریب چیزیں دیکھی تھیں۔“

”ہاں۔“ عاقِب نے کہا۔ ”وہ پنجرا، خُود بخُود کھُلنے والا دروازہ، اُڑنے والا عقاب، نقلی ہاتھ! توبہ ہے!“ عاقب کو یہ سوچتے ہوئے جھُرجھُری سی آ گئی۔

”اور یہ سمندری بلا۔“ عنبر نے زور دیتے ہوئے کہا۔ ”ہو سکتا ہے یہ بلا قدیر اور شاہین نے مل کر بنائی ہو اور اِس کے ذریعے کوئی غَلَط کام کرنا چاہتے ہوں!“

نسیم پر کیا گزری؟

"لیکن اگر یہ بات درست ہے۔" عاقِب کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "تو وہ دو غوطہ خور کون تھے؟"

"وہ بھی اُن کے ملازم یا دوست ہی ہوں گے۔" عنبر نے خیال ظاہر کیا۔ "آؤ، ان کتّوں کو باہر نکالیں۔"

"ہاں، ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔" عاقِب بولا۔ "وہ لوگ کِسی بھی لمحے آسکتے ہیں۔"

"تُم جلدی سے ایک ایک کتّا لا کر مجھے پکڑاتے رہنا۔ میں سیڑھیوں پر کھڑا ہو جاتا ہوں۔" عنبر نے کہا۔

"بس، تو تُم سیڑھیوں پر چلو۔" عاقِب نے کہا۔ "میں ابھی ایک ایک کر کے ان سب کو لاتا ہوں۔"

سب سے پہلے عاقِب السیشن نسل کے کتّے کو لے گیا، جو انور صاحب کا ٹامی تھا۔ اُس کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا۔ عاقب نے دیکھا کہ عنبر ہر کتّے کو باہر چھوڑتے وقت اُس کے پٹّے میں ایک کاغذ اُڑس دیتا ہے۔ اُس سے رہا نہ گیا اور جب چھٹا اور آخری کتّا وہ عنبر کو دے چُکا تو پوچھنے لگا۔ "یہ کیا کر رہے ہو؟"

"اپنی فرم کی شُہرت۔" عنبر نے آنکھیں جھپکاتے ہوئے کہا۔ "میں اِن کے پٹّوں میں اپنا اشتہار لگا رہا ہوں۔"

کام ختم کر کے عاقِب کہنے لگا۔ "میں بھی باہر آ جاؤں؟ اب تو سب کتّے ختم ہو گئے۔"

”نہیں، میرا خیال ہے ہمیں پھر سمندری بلا کے اندر جانا پڑے گا۔“ عنبر نے کہا۔

”کیوں؟“

”اس لیے کہ مجھے باہر کچھ آہٹ سنائی دے رہی ہے۔ ہم بلا کے اندر نہ چھُپے، تو آنے والا ہمیں دیکھ سکتا ہے۔“ عنبر نے کہا اور سیڑھیاں واپس اُتر گیا۔ عاقب بھی اُس کے آگے آگے نیچے اُتر آیا تھا۔

اُدھر باہر نام کے پہلے حصّے میں نسیم سبز بھُوت والی ٹارچ لیے اِس انتظار میں بیٹھا تھا کہ کوئی آئے تو وہ اُسے خوف ناک تصویریں دکھائے۔ عنبر نے اُسے اِسی لیے وہاں بٹھایا تھا۔

عنبر اور عاقِب کو غار کے دوسرے حصّے میں گئے کافی وقت ہو چکا تھا۔ نہ تو وہ نسیم کے پاس واپس پہنچے تھے اور نہ باہر سے کوئی آدمی غار کے اندر آیا تھا جو نسیم کو اپنی خاص ٹارچ استعمال کرنا پڑتی۔ چنانچہ نسیم وہاں اکیلا بیٹھا سوچتا رہا، سوچتا رہا۔

خاصی دیر بعد اُس نے محسوس کیا کہ غار کے باہر کوئی ہے۔ ایک دفعہ کو تو اُس کا خون رگوں میں جم سا گیا۔ نہ جانے کیسا آدمی ہو؟ اگر وہ نہ ڈرا تو؟ بجلی کی طرح کئی سوال اُس کے ذہن میں کوند گئے۔ آخر کار اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ بے دھڑک ہو کر اپنا کام کرے گا خواہ اِس کا نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔

غار کے باہر جو کوئی بھی شخص چل پھِر رہا تھا، اب وہ غار کے اندر داخل ہو رہا تھا۔ اس وقت نسیم کا دل چاہا کہ اپنی سادہ ٹارچ جلا کر اُس کا چہرہ دیکھے کہ آخر وہ ہے کون۔ لیکن اُسے معلوم تھا کہ ایسا کرنا حماقت ہو گی۔ جو کوئی بھی وہ تھا، وہ فوراً نسیم پر حملہ آور ہو جاتا کیوں کہ ٹارچ جلتے ہی اُسے معلوم ہو جاتا کہ روشنی کون ڈال رہا ہے۔ آخر نسیم نے دھڑکتے دل کے ساتھ خاص ٹارچ اُٹھائی، اُس میں ایک ڈراؤنی تصویر پہلے سے لگی ہوئی تھی۔ اُس نے سوچا کہ جونہی آنے والا آگے آئے گا، وہ غار کی دیوار پر خوف ناک تصویر کا سایہ ڈالنا شروع کر دے گا۔ لیکن اِس سے پہلے کہ وہ تصویر دکھاتا، غار کے اندر سے عجیب و غریب سی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ یہ اِتنی عجیب و

غریب تھیں کہ نہ صرف نسیم بلکہ غار کے آنے والا شخص بھی سہم گیا اور دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔

نسیم کو یوں محسوس ہوا جیسے کچھ چھوٹے چھوٹے جانور غار سے باہر نکل رہے ہیں۔ اُس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ کہیں یہ عنبر اور عاقب تو نہ تھے؟ مگر نہیں۔ عنبر اور عاقب چاروں ہاتھوں اور پاؤں پر چلتے تو بھی اِتنے چھوٹے نہ ہو سکتے تھے، مگر ہاں، ایک چوپایہ واقعی ذرا بڑا تھا!

نسیم جھنجھلا گیا۔ آخر یہ سب کیا تھا؟ یہ چوپائے ایک غار کے اندر کیسے اور کہاں سے آ گئے؟ عاقب اور عنبر نے جو پروگرام بنایا تھا، اُس میں تو اِن چوپایوں کا کوئی ذکر نہ تھا۔ اب اُسے کیا کرنا چاہیے؟ اُس نے آخر کار ایک فیصلہ کر لیا۔

وہ ایک ہاتھ سے عام ٹارچ جلا کے چوپایوں کی طرف روشنی ڈالے گا اور دوسرے ہاتھ سے خاص ٹارچ جلا کر خوف ناک تصویر اُس دیوار پر ڈالے گا جدھر اُس آدمی کا منہ ہو گا۔ اِس طرح ایک طرف تو نسیم کو یہ دیکھنے کا

موقع مل جائے گا کہ وہ چوپائے کیسے ہیں، اور دوسری طرف غار کے اندر آنے والا شخص تصویر دیکھے گا تو ڈر جائے گا۔

نسیم نے بیک وقت دونوں ٹارچیں روشن کر دیں۔ غار میں اچانک ایک طوفان سا آ گیا۔ ایک سایہ بھُوت بھُوت کہتا ہوا باہر کی طرف دوڑا اور اُس کے پیچھے وہ تمام چوپائے لگ گئے جو غار کے اندر آ چکے تھے۔

یہ چوپائے وہ کتّے تھے جنہیں عنبر اور عاقِب نے آزاد کرایا تھا۔ وہ سب بھونکتے ہوئے اُس شخص کے پیچھے دوڑے جو ڈر کر بھاگ کھڑا ہوا تھا!

دوسرا انور

نسیم آہستہ آہستہ اُٹھا اور غار سے باہر نکل گیا تاکہ یہ دیکھ سکے کہ وہ شخص کون تھا۔ باہر ہلکی ہلکی ملگجی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی، جس میں ایک سایہ بھاگا جا رہا تھا اور کتّے اُس کا تعاقب کر رہے تھے۔ ذرا آگے جا کے وہ شخص گِر پڑا۔ نسیم نے سوچا کہ اب کتّے اُس کو بھنبھوڑ ڈالیں گے۔

مگر نہیں۔

کُتّے تو گِرے ہوئے شخص کے اُوپر سے گزرتے ہوئے بھاگتے چلے گئے!!

نسیم حیرت سے یہ منظر دیکھتا رہا!

اچانک وہ شخص اُٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا غار کی طرف بڑھا۔ اب وہ نسیم کے اتنے قریب سے گزرا کہ اگر وہ ایک جھاڑی کے پیچھے نہ ہو جاتا تو وہ شخص اُس کو دیکھ لیتا۔

نسیم یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ شخص انور ہے! وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ انور صاحب اِس وقت اس طرح غار کے اندر داخل ہوں گے اور آہستہ آہستہ غار کے اندر داخل ہوا۔ نسیم بھی غار میں گھُس گیا۔ کسی قسم کی آہٹ پیدا کیے بغیر اُس کے پیچھے پیچھے غار میں گھُس گیا۔

اُس نے سوچا کہ وہ انور کو آواز دے۔ مگر پھر ٹھٹک گیا۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ انور یہاں کیا کرنے آیا ہے اُسے آواز دینا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

نسیم پر ایک کٹھن وقت آ پڑا تھا۔ انور کا اپنا کتّا گُم ہوا تھا اور اُس کی تلاش میں ہی تینوں سُراغ رساں یہاں آئے تھے۔ اگر انور خود اُسے غار میں

تلاش کرنے کی ہمّت رکھتا تھا تو اُس نے خاص طور پر ننّھے سُراغ رسانوں کو اِس کام پر کیوں لگایا تھا؟ اس کے علاوہ انور بوڑھا تھا، اُس میں اِتنی سکت نہ تھی کہ وہ تیر کی طرح بھاگ کر کتّوں سے بچنے کی کوشش کرتا!

یکایک نسیم کو ایک اور بات سوجھی۔ اُس نے سوچا کہ بھاگنے والے کتّوں کی تعداد پانچ چھ تھی۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ کتّے خان گڑھ کے گُم شُدہ کتّے ہوں جنھیں عنبر اور عاقب نے آزاد کرایا ہو؟

مگر یہاں ایک اور مسئلہ تھا۔ اگر یہ کتّے گُم شدہ تھے تو ان میں انور کا کتّا ٹامی بھی ہو گا۔ اور اگر وہ اُن میں تھا تو اُس نے اپنے مالک انور کو پہچانا کیوں نہیں؟ اور انور نے اپنے کتّے ٹامی کو کیوں نہیں پہچانا؟

ایک سوال اور بھی تھا۔ انور نے تمام زندگی خوف ناک فلمیں بنائی تھیں۔ وہ ایک ڈراؤنی تصویر دیکھ کر بھُوت بھُوت کا نعرہ نہیں لگا سکتا تھا۔

یہ وہ سوال تھے جو نسیم کے ذہن میں کھلبلی سی مچا رہے تھے۔ وہ اِن سوالوں کا جواب ایک ہی طرح حاصل کر سکتا تھا۔ انار کو پُکار کے۔

لیکن یہ اُس وقت ممکن نہ تھا۔ وہ اِس جگہ، اِس حالت میں، انور کو آواز دے کر کوئی نیا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔

آخر اُس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی، جس سے وہ اپنا شک دور کر سکتا تھا۔ لیکن اُس کے لیے اُسے غار سے باہر جانا پڑتا تھا اور عنبر نے اُس سے کہا تھا کہ غار کے اندر بیٹھا رہے اور جب کوئی اندر آئے تو اُسے خوف ناک تصویریں دکھائے۔

مگر عنبر کو اِس نئی صورتِ حال کا تو پتا نہیں نا۔ اگر عنبر کو اِس بات کا پتا چل جائے تو شاید وہ بھی وہی کرے جو نسیم کرنا چاہتا تھا۔

نسیم چُپ چاپ غار سے باہر آیا اور تیز تیز چلتا ہوا سڑک پر جانے والی ایک سیڑھی پر پہنچ گیا اور پھر وہ سڑک پر بھاگنے لگا۔ بھاگم بھاگ انور صاحب کے مکان پر پہنچا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ باہر سے بند نہیں۔ اُس نے کچھ سوچتے ہوئے گھنٹی بجائی۔ ایک دفعہ۔۔۔ دو دفعہ۔۔۔۔ تین دفعہ۔۔۔۔

”یہ کون آ گیا اِس وقت؟“ انور صاحب نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ ”اور کیوں بار بار گھنٹی بجائے جا۔۔۔ ارے! یہ تُم ہو، ننّھے سُراغ رساں۔ آؤ، اندر آؤ۔ کیا رپورٹ لائے ہو؟ بھئی، میرا کتّا گھر آ گیا ہے۔ تمہارا بہت بہت شکریہ۔ اُس کے گلے کے پٹّے میں تین ننّھے سُراغ رسانوں کا اشتہار اُڑسا ہوا تھا۔ میں تُم لوگوں کا بہت بہت۔۔۔ ارے! مگر تُم اِس طرح مجھے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کیوں دیکھ رہے ہو اور باقی دو سُراغ رساں کہاں ہیں؟“

نسیم واقعی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُنہیں دیکھے جا رہا تھا۔ وہ زبان سے ایک لفظ نہ بولا۔ انور صاحب خُود اُس کے سامنے کھڑے تھے۔ اُس کی زبان سے نہ جانے کیوں ایک عجیب و غریب سا سوال نکلا۔ ”جناب! کیا آپ اصلی انور صاحب۔“

”ہاں بیٹے، بالکل اصلی۔“ انور صاحب نے کہا۔ ”مگر یہ مذاق کا کون سا وقت ہے؟“

نسیم نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، پوری رفتار سے واپس غار کی طرف بھاگ کھڑا

ہوا۔

اگر وہ شخص عنبر اور عاقِب کو انور بن کر کسی خطرناک جال میں پھانس لینے میں کامیاب ہو گیا تو؟ نسیم تیز تیز ہانپتا ہوا سیڑھیاں اُترا اور تیر کی طرح غار میں داخل ہو گیا۔

لیکن اچانک وہ ٹھٹک کر رُک گیا۔

اُس کے سامنے سمندری بلا مُنہ کھولے، آنکھیں نکالے، کھڑی تھی اور غرّا بھی رہی تھی۔ اُس کے مُنہ سے آگ کی لپٹیں نِکل رہی تھیں!!

دوست یا دُشمن

عنبر اور عاقِب کتّوں کو چھوڑنے کے بعد باہر نکلنے کی سوچ ہی رہے تھے کہ اُنہیں کسی کی آہٹ سنائی دی اور وہ واپس سمندری بلا کے اندر چلے گئے۔

"جب یہ سمندری بلا ٹائروں پر چلتی ہے تو اِس میں انجن بھی لگا ہو گا۔" عنبر نے کہا۔ "ہمیں جلد از جلد انجن کا کمرا تلاش کرنا چاہیے۔"

"مگر اِس میں ٹائر تو نظر نہیں آئے۔" عاقِب نے کہا۔

"ٹائر نظر نہیں آئیں گے۔" عنبر نے کہا۔ "ٹائر نظر آ جائیں تو اِسے

سمندری بلا کون سمجھے گا؟ مگر یہ بھی تو سوچو کہ یہ آخر یہاں سے سمندر تک کس طرح جاتی ہو گی؟ اور کل ہمیں ساحل کی ریت پر ٹائروں کے نشان نظر آئے تو تھے۔"

عنبر نے نیچے اُتر کر جلد ہی انجن کا کمرا ڈھونڈ لیا۔ یہ دُور بین کے نزدیک ہی تھا۔

"اب اگر وہ شخص اِدھر ہی آیا تو ہم اِس بلا کو سٹارٹ کر کے باہر نکل جائیں گے۔" عنبر نے کہا۔

"لیکن تُم اِسے سٹارٹ کیسے کرو گے؟" عاقِب نے پوچھا۔

"اس کے آلات موٹر کار جیسے ہیں۔" عنبر نے انجن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ایک اسٹیئرنگ، بریک، کلچ، گیئر۔ میں کار چلانا جانتا ہوں، اِس لیے اِسے بھی چلا سکتا ہوں،" اُس نے ڈرائیور کی نشست سنبھال لی اور عاقب سے کہا "تم اِس کمرے کے باہر لگی ہوئی دُور بین میں دیکھ کر مجھے بتاؤ کہ وہ آدمی غار کے اندر آ گیا یا نہیں۔"

عاقِب نے دوربین سے آنکھ لگا کے باہر دیکھا۔ اُسے کوئی آدمی نظر نہ آیا۔

"پھر دیکھو۔" عنبر نے کہا۔ "ہمیں جو آہٹ سنائی دی تھی، وہ کسی آدمی ہی کی ہو گی۔"

عاقِب نے پھر غور سے دیکھا۔ "نہیں۔" اُس نے کہا۔ "مجھے کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا۔"

"کمال ہے!" عنبر نے سر کھُجاتے ہوئے کہا۔ "مگر نہیں۔ ہو سکتا ہے آنے والا آدمی نسیم کی خوف ناک تصویریں دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا ہو اور اندر نہ آیا ہو۔"

"ہاں۔" عاقِب نے کہا۔ "مجھے تو یہی لگتا ہے۔ آؤ، نسیم سے چل کر پوچھیں۔"

"چلو، میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" عنبر نے ڈرائیور کی نشست سے اُٹھتے ہوئے کہا۔

”ٹھہرو!“ عاقِب نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”ابھی نہ اُٹھو۔ ہو سکتا ہے ہمیں سمندری بلا کے اندر ہی رہنا پڑے۔“

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ کوئی آدمی غار کے اندر داخل ہو رہا ہے۔“

”کون ہے وہ؟“

”میں دیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔۔۔ ابھی ذرا اُسے نزدیک آنے دو۔۔۔۔ ارے! یہ کیا؟“ عاقب حیرت سے چیخا۔

”کیا؟ کیا؟“ عنبر نے بے صبری سے پوچھا۔

”انور صاحب!“ عاقِب حیرت سے بھرپور آواز میں بولا۔

”اندر آنے والا شخص خود انور صاحب ہیں!“

”انور صاحب!“ عنبر نے اپنے دل کو دھڑکتا ہوا محسوس کیا۔ ”ناممکن!“

"یقین نہ آئے تو خود دیکھ لو۔" عاقِب نے کہا۔ "مگر جلدی کرو۔ وہ اِدھر ہی کو آ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ خود سمندری بلا کا سُراغ لگانے آ گئے ہوں۔"

عنبر ڈرائیور کی نشست سے اُٹھ کر دُور بین کے پاس آیا اور اُس میں دیکھتے ہوئے بولا۔ "ہوشیار! یہ انور صاحب نہیں ہیں۔ بوڑھے آدمی اِس طرح قدم نہیں اُٹھاتے۔ یہ تو انور صاحب کے روپ میں کوئی اور شخص ہے!"

"پھر۔۔۔۔ پھر۔۔۔۔ اب کیا کریں؟" عاقِب نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"اب ہمارا بھاگنا بیکار ہے۔ دُشمن بہت چالاک اور مکّار معلوم ہوتا ہے۔" عنبر نے کہا۔ "ہم دونوں نقلی انور کو پکڑنے کی کوشش کریں گے۔"

"کس طرح؟"

"ہم دونوں نیچے آنے والی سیڑھیوں کے پاس کھڑے ہو جائیں گے اور جونہی وہ شخص سمندری بلا کے اندر اُترے گا، اُسے قابو میں کر لیں گے۔"

”مگر ہماری رسّی تو چھوٹے غار میں پڑی ہوئی ہے۔“ عاقِب نے کہا۔

”کوئی بات نہیں۔“ عنبر نے اپنی پتلون میں سے پیٹی نکالتے ہوئے کہا۔ ”یہ لو۔ ایک رسّی تو یہ رہی۔ دوسری تمہارے پاس ہے۔ میں اُس کے نیچے پہنچتے ہی اُسے جکڑ لوں گا اور تم اُس کے ہاتھ پاؤں باندھ دینا۔“

”ٹھیک ہے۔“ عاقِب اپنی پتلون کی پیٹی نکالتے ہوئے بولا۔ ”میں تیّار ہوں۔“

”بس، اب چُپ چاپ بیٹھے رہو۔“عنبر نے کہا۔

دونوں گھات لگا کر بیٹھ گئے۔ آنے والے شخص کی آہٹ اب بالکل نزدیک آگئی تھی۔ لڑکوں کے دِل دھک دھک کر رہے تھے!

آنے والا بہت اطمینان سے آ رہا تھا۔ اُس نے آہستہ آہستہ سمندری بلا کی سیڑھی پر قدم رکھا اور نیچے اُترنے لگا۔ جونہی وہ نیچے آیا، عنبر اور عاقب اُس پر جھپٹ پڑے اور اُس پر قابو پانے میں کام یاب ہو گئے۔

ہاتھ پاؤں باندھنے کے بعد وہ اُسے انجن والے کمرے میں لے گئے اور وہاں ٹارچ جلا کے اُس کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگے۔ یکا یک عنبر نیچے جھکا اور اُس کی گردن پر سے کوئی چیز پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔ یہ نقلی چہرہ تھا جو جھٹکے سے اُتر کر عنبر کے ہاتھ میں آگیا۔ عاقب اور عنبر یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ شخص شاہین تھا!

"اب تُم نے مجھے دیکھ ہی لیا ہے تو میرے ہاتھ پاؤں کھول دو۔" شاہین نے بڑے اطمینان سے کہا۔

"کیوں؟" عنبر نے پوچھا۔ "ابھی تو ہم تُم سے یہ معلُوم کریں گے کہ یہ آب دوز کشتی تُم نے کیوں بنائی ہے اور اِس کی مدد سے تم کیا کرنا چاہتے تھے؟"

"میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے یہ آب دوز کشتی نہیں بنائی۔" شاہین نے کہا۔ "میں تو خود یہی دیکھنے آیا تھا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔"

"اگر تم صرف یہی دیکھنے آئے تھے تو تم نے اپنے منہ پر انور صاحب کے

چہرے جیسا نقاب کیوں لگایا ہوا تھا؟" عنبر نے کہا۔

"وہ۔۔۔ وہ تو میں نے مذاق کیا تھا۔" شاہین نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری کار کو دیکھ چکا تھا۔ مجھے پتا تھا کہ تُم تینوں اِس وقت غار میں موجود ہو گئے، اِس لیے میں نے انور کے چہرے کا نقاب اپنے منہ پر لگا لیا تا کہ تُم لوگوں کے ساتھ ذرا مذاق رہے اور میں بتاؤں کہ تمہارا تیسرا ساتھی اِس وقت کہاں ہے؟"

"کہاں؟"

"انور صاحب کے مکان پر۔" شاہین نے کہا۔ "وہ مجھے دیکھ کر سیدھا انور صاحب کے مکان پر گیا ہو گا، اپنا شک دور کرنے کے لیے۔"

"کیسا شک؟"

"یہی کہ میں اصل انور ہوں یا نقلی۔ اُس نے مجھے بھاگتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔"

عبر اور عاقِب حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ واقعی شاہین نے مذاق کیا تھا۔۔۔؟ پنجرے، خود بخود کھلنے والے دروازے، بجلی کے کرنٹ والی گھنٹی، اُڑتے ہوئے عقاب، اور نقلی ہاتھ جیسا ایک مذاق؟

فتح خان کی گرفتاری

بہر حال، عنبر اور عاقِب نے شاہین کے ہاتھ پاؤں نہ کھولے اور اُسے انجن روم میں چھوڑ کر خود سمندری بلا کے باقی حصّے دیکھنے لگے کہ شاید اِس طرح اُنہیں یہ سُراغ مل سکے کہ یہ بلا کس کام کے لیے بنائی گئی ہے۔

ابھی تک اُنہوں نے دو کمرے دیکھے تھے۔ ایک کتّوں والا اور دوسرا انجن والا۔ ابھی اس میں دو کمرے اور تھے جنہیں دیکھنے کا اُنہیں موقع نہ ملا تھا۔

پہلے وہ ایک کمرے میں گئے۔ اس میں چند چھوٹی چھوٹی ربڑ کی کشتیاں رکھی

ہوئی تھیں۔

"میں نے صحیح کہا تھا کہ یہ سمندری بلا آب دوز کشتی کے طور پر استعمال کرنے کے لیے بنائی گئی ہے۔" عنبر نے کہا۔ "یہ ربڑ کی کشتیاں ہنگامی ضرورت کے لیے رکھی گئی ہیں۔ اگر کبھی آبدوز ڈوبنے لگے تو اِن اندر موجود آدمی ربڑ کی اِن ہلکی پھلکی کشتوں کے ذریعے اپنی جان بچا سکتے ہیں۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہ سب کچھ بڑے غور و فکر کے بعد کیا گیا ہے۔"

"ہاں، لگتا تو یہی ہے۔" عنبر نے کہا۔ "اور یہ کشتی کسی بہت اہم اور خطرناک مہم کے لیے بنائی گئی ہے۔"

یکایک عنبر کے ذہن میں ایک پٹاخا سا چھُٹا اور وہ چوتھے کمرے کی طرف جھپٹا۔ "اگر میں غلطی پر نہیں تو چوتھے کمرے میں سمگلنگ کا سامان ہو گا۔"

چوتھا کمرا واقعی سامان سے پٹا پڑا تھا۔ ایک طرف گندم کی بوریاں چُنی ہوئی تھیں، دوسری طرف کرنسی نوٹوں کے بنڈل ڈھیروں کی شکل میں رکھے ہوئے تھے اور تیسری طرف دوسرا سامان تھا۔

"عاقِب! ہمیں فوراً پولیس کو بلانا چاہیے۔" عنبر نے کہا۔ "ہمارا سامنا اسمگلروں کے گروہ سے ہے۔ نہ جانے اِس میں کتنے لوگ ہوں گے۔ ہم تنہا ان کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔"

"مقابلہ کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔" اچانک اُن کے پیچھے ایک خوف ناک آواز گونجی۔ "اب تم بھی سامان کے ساتھ سمگل کر دیے جاؤ گے۔۔۔۔ بولو، کہاں جانا پسند کرو گے؟"

عنبر پھُرتی سے مُڑا لیکن بے سود۔ اس آواز کے ساتھ ہی گودام کا دروازہ کھڑاک سے بند ہو گیا۔ اب وہ دونوں سمندری بلا کے کمرا نمبر چار میں بند تھے۔ باہر اُنہیں کچھ آوازیں آرہی تھیں۔ وہ اُنہیں غور سے سُننے لگے۔

"میں نے تُم لوگوں سے کہا تھا کہ یہ پارٹی خطرناک ہے۔" کسی نے باریک

آواز میں کہا۔ ”مگر تُم چُوک گئے۔ ان چُوہوں کو کل ہی صاف کر دیا ہوتا تو یہ مُصیبت نہ آئی۔“

”چلو، اب بھی کچھ نہیں ہوا۔“ دوسرے آدمی نے کہا۔ ”اتنا تو ہم نے ڈھونڈا مگر نہ جانے یہ لوگ کہاں دفع ہو گئے تھے۔“

عنبر اور عاقِب سمجھ گئے کہ دونوں وہی غوطہ خور بِلّا اور جانو ہیں جو کل اُنہیں مارنا چاہتے تھے۔

”یہ سردار ابھی تک نہیں آیا۔“ جانو نے کہا۔

”پتا نہیں۔“ بِلّے نے جواب دیا۔ ”ویسے تو سارا کچھ پروگرام کے مطابق ہوا ہے۔ سردار کو یہاں آ جانا چاہیے تھا۔“

”یہ کس سردار کی بات کر رہے ہیں؟“ عاقِب نے عنبر سے پوچھا۔

”لگتا ہے اِن کے ساتھ کوئی اور بھی شریک ہے۔“ عنبر نے کہا۔ وہ اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے نچلا ہونٹ مسلے جا رہا تھا۔ ”یہ آدمی کون ہو سکتا

ہے؟؟" وہ آہستہ سے بُڑبُڑایا۔ "آخر یہ آدمی کون ہو سکتا ہے؟؟؟" جانو اور بلّا باتیں کرتے کرتے انجن کے کمرے کی طرف چلے گئے تھے کیونکہ اچانک انجن سٹارٹ ہو گیا تھا اور سمندری بلا ایک جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھنے لگی۔ ذرادور جا کر اُسے ایک اور جھٹکا سا لگا اور پھر وہ اور آگے بڑھی۔ اسی طرح جھٹکوں کے ساتھ وہ آگے بڑھتی رہی۔"

"عنبر! جلد کوئی تدبیر سوچو۔" عاقِب نے گھبرا کر کہا۔ "ورنہ نہ جانے ہم کون سے ملک میں پہنچا دیے جائیں۔"

"گھبراؤ نہیں۔" عنبر بولا۔ "میں سوچ رہا ہوں۔"

اب سمندری بلا غار سے باہر نکل چکی تھی۔ اُس کے منہ سے آگ کی لپٹیں نکل رہی تھیں اور آنکھیں چمک رہی تھیں۔

نسیم ہانپتا کانپتا غار کے پاس پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ سمندری بلا غار سے باہر نکل کر پانی کا رُخ کر رہی ہے۔ اسے عنبر اور عاقب کا خیال آیا۔ اگر وہ دونوں سمندری بلا کے پیٹ سے باہر نکل چکے ہوتے تو اُسے راستے میں

ضرور ملتے۔ یقیناً وہ ابھی تک سمندری بلا کے اندر تھے۔ اور اگر نقلی انور صاحب بھی اندر پہنچ چکے ہوں گے تو اس کا ایک ہی مطلب ہے، یعنی عنبر اور عاقب پھنس چکے۔ اب یہ بہت ضروری تھا کہ سمندری بلا کو پانی میں جانے سے روکا جائے تاکہ عنبر اور عاقب کی مدد کی جاسکے۔

اچانک نسیم کے دماغ میں ایک ترکیب آئی۔ سمندر بلا سُست رفتار سے چل رہی تھی۔ نسیم چکّر کاٹ کر بلا کی پچھلی طرف پہنچ گیا اور تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگا اور پھر بلا کے اندر اُتر گیا۔

اندر اُترتے ہی اُس نے دیکھا کہ تین کمرے کھلے ہیں لیکن چوتھا کمرے کو کنڈی چڑھی ہے۔ انجن روم سے جانُو اور انور کی باتوں کی آوازیں آرہی تھیں۔

نسیم صورتِ حال سمجھ گیا۔ یقیناً عنبر اور عاقِب اس کمرے میں بند تھے جہاں کنڈی چڑھی تھی۔ نسیم آہستہ سے اس کمرے کی طرف بڑھا۔ انجن کے شور میں اس کے آنے کی خبر کسی کو نہ ہوئی۔

اس نے آہستہ سے دروازے کی کنڈے اتاری اور دروازہ کھول کر عنبر اور عاقب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

اس کے بعد وہ سامان کے پیچھے چھُپ کر بھاری آواز میں بولا۔ ”خبر دار! تُم چاروں طرف سے پولیس کے گھیرے میں ہو۔ بہتری اسی میں ہے کہ فوراً اس سمندری بلا کو روک کر باہر آجاؤ۔“

تینوں آدمی حیران رہ گئے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے کمرے سے باہر دیکھنے لگے لیکن انہیں کوئی دکھائی نہ دیا۔

”جلدی چلو!“ نسیم پھر بولا۔

تینوں آدمی ہاتھ اوپر اٹھائے باہر نکل آئے۔

”لڑکو! یہ لو رسّی۔“ نسیم نے اُسی بھاری آواز میں کہا اور ان تینوں کے ہاتھ باندھ دو۔ یہ بھاگنے کی کوشش کریں گے تو ان میں سے ایک بھی نہیں بچے گا۔“ نسیم نے جیب سے سکاؤٹ کی ڈوری نکال کر اندر اچھال دی۔

جلد ہی بہت سارے پاؤں بھد بھد کرتے وہاں آموجود ہوئے۔ یہ اصلی پولیس تھی۔ انور صاحب نسیم کے جانے کے فوراً بعد پولیس کے دفتر گئے تھے اور وہاں سے مدد لے کر موقع پر پہنچ گئے تھے۔

شاہین، بِلّے اور جانو کو ہتھکڑیاں لگا کے سمندری بلا سے باہر نکالا گیا تو پورا خان گڑھ ساحل پر جمع ہو چکا تھا۔ یکایک عنبر شاہین کے نزدیک آیا۔ اُس نے شاہین کی گردن کے پاس سے قمیص کا ایک بٹن کھولا اور پھر دوسرا۔ اُس کے بعد ایک جھلّی کا سِرا ڈھونڈ کر اُسے اکھاڑ ڈالا۔ شاہین کا چہرہ اُس کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔

اب وہاں ملک کا خطرناک اشتہاری مجرم اور مفرور اسمگلر فتح خان کھڑا تھا۔ پچھلے دس سال سے پولیس اُس کی تلاش میں تھی۔

چند دلچسپ سوال

اگلے دِن، ایک مرتبہ پھر، عنبر، نسیم اور عاقِب مرسیڈیز کار میں خان گڑھ پہنچے۔ اِس مرتبہ انور صاحب نے اُنہیں دعوت پر بُلایا تھا۔ میز پر طرح طرح کے لذیذ اور مزے دار کھانے چُنے ہوئے تھے۔ کھانے کے ساتھ ساتھ انور صاحب کہانی بھی سُنتے رہے۔ جب چائے کا دور شروع ہوا اور انور صاحب پوری کہانی سُن چکے تو اُنہوں نے کہا۔ ”میرے ذہن میں کچھ سوال مچل رہے ہیں، جو میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں؟“

”فرمائیے۔“عنبر نے بڑے اخلاق سے کہا۔

”پہلا سوال تو یہ ہے کہ قدیر کو تم لوگوں نے کل شام ساحل پر دیکھا تھا۔ وہ بظاہر تمہیں تلاش کر رہا تھا اور بڑبڑاتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا۔ اگر وہ اِس کام میں شریک نہ تھا تو۔۔۔۔۔“

”میں عرض کرتا ہوں۔“عنبر نے کہا۔”وہ وہاں ہواخوری کو گیا تھا۔ وہ روزانہ جھٹ پٹے کے وقت ہواخوری کرتا ہے۔ البتّہ وہ سنکی سا شخص ہے اور لوگوں سے میل جول پسند نہیں کرتا، اِسی لیے اُس نے اِس انداز میں ہمارا ذکر کیا جیسے ہمارا دُشمن ہو۔“

”دوسرا سوال یہ ہے کہ۔“انور صاحب نے چائے کی چُسکی لیتے ہوئے کہا۔ ”جب شاہین نے تمہیں انجن روم میں بتایا تھا کہ وہ محض تمہیں دیکھنے آیا تھا اور مذاق کی خاطر اُس نے میرا چہرہ لگا رکھا تھا تو کیا تُم لوگوں کو یقین آ گیا تھا؟“

”مجھے تو یقین آ گیا تھا۔“عاقِب نے کہا۔

"مجھے یقین نہیں آیا تھا۔" عنبر نے کہا۔ "شاہین کی شخصیت بڑی گہری ہے۔ کوئی عام آدمی اپنے گھر اتنے حفاظتی اقدامات نہیں کرتا جتنے اُس نے کیے ہوئے تھے۔ نسیم اور عاقب اُسے سائنس دان سمجھے ہوں تو سمجھے ہوں، میں پہلی ملاقات کے بعد ہی اُسے خطرناک شخص سمجھنے لگا تھا۔"

"مگر تم نے تو اُلٹا ہمارا مذاق اُڑایا تھا کہ ہم ڈر گئے۔" نسیم نے کہا۔

"ہاں، اگر میں ایسا نہ کرتا تو تُم اور بھی خوف زدہ ہو جاتے۔" عنبر نے کہا۔ "میں نے پہلی ہی نظر میں شاہین قدیر کو مشکوک سمجھا تھا، لیکن قدیر کو جلد ہی اِس فہرست سے نکال دیا تھا کیوں کہ وہ ایک سنکی شخص ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اُس کی دونالی بندوق سے آج تک ایک بھی فائر نہیں ہوا۔"

"ہاں، کم از کم ہم نے تو آج تک آواز نہیں سُنی۔" انور صاحب نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"جانُو اور بِلّا کون تھے؟" چند لمحوں بعد انور صاحب نے پُوچھا۔

"یہ شاہین کے ملازم تھے اور اُس کے راز میں شریک تھے۔ جب اُنہوں نے سردار کا ذکر کیا تھا تو شاہین ہی کا ذکر کر رہے تھے۔" عنبر نے جواب دیا۔

"ایک سوال اور۔" انور صاحب بولے۔ "یہ سمندری بلا اِن لوگوں نے کہاں سے لی تھی؟"

"اس کا جواب آپ کے اپنے پاس ہے۔" عنبر نے کہا۔ "آپ جب خوف ناک فلمیں بنانے کے عجیب جانور تیّار کرایا کرتے تھے تو فلم مکمّل ہونے کے بعد اُن کا کیا کرتے تھے؟"

"کیا کرتے تھے؟" انور صاحب نے کہا۔ "میں اُنہیں فروخت کر دیتا تھا جس سے اچھی خاصی رقم مل جایا کرتی تھی۔"

"کیا آپ نے کبھی سمندری بلا بھی بیچی تھی؟" عنبر نے پوچھا۔

"کئی دفعہ۔"

”بس، تو ہو سکتا ہے کہ یہ بلا آپ ہی کی بنائی ہوئی ہو۔“ عنبر نے کہا۔ ”خریدنے والے نے اُسے آب دوز کشتی میں تبدیل کر لیا تھا تاکہ اُسے سمگلنگ کے کام میں لایا جا سکے۔“

”ہاں، یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ شاہین عرف فتح خان نے کتّوں کو کیوں چُرایا اور پھر اُنہیں مارا کیوں نہیں؟“

یہ بڑا دل چسپ سوال ہے۔“ عنبر بولا۔ ”اور اِس کا تعلّق نفسیات سے ہے۔ شاہین عرف فتح خان نے یہ کتّے اس لیے چُرائے تھے کہ یہ اُس کے سمگلنگ کے کام میں روڑے اٹکا سکتے تھے اور اُس نے اِن کتّوں کو مارا اِس لیے نہیں کہ قدیر جتنا زیادہ کتّوں سے چِڑتا ہے، شاہین عرف فتح خان اُتنا ہی کتّوں پر جان چھڑکتا ہے۔ وہ اپنے ہاتھ سے کسی کتّے کو سوئی بھی نہیں چبھو سکتا۔“

”اوہ! تبھی وہ کتّوں کو نشہ آور دوا کھلاتا تھا۔“ عاقِب بولا۔

”اچھّا، ایک آخری سوال اور۔“ انور صاحب نے کہا۔ ”تُم نے شاہین کے

اندر چھپے ہوئے فتح خان کر کیسے تاڑا؟"

"جب میں نے کتّوں کو مرا ہوا پانے کے بجائے بے ہوش پایا تو میرے دماغ نے تبھی سے سوچنا شروع کر دیا تھا۔ پھر جب شاہین آپ کا چہرہ لگائے انجن روم میں آیا تو میرے دماغ میں بات صاف ہونا شروع ہو گئی۔ میں نے کچھ سال پہلے ایک اخبار میں مفرور مجرم فتح خان کے بارے میں ایک مضمون پڑھا تھا جس میں لکھا تھا کتّے اُس کی کمزوری ہیں۔ تبھی سے میں سمجھ گیا تھا کہ شاہین دراصل فتح خان ہے۔"

"تم بھی بڑے وہ ہو۔" عاقِب نے کہا۔ "تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟"

"اگر میں تمہیں بتا دیتا تو تم شاید حوصلہ ہار دیتے۔" عنبر نے کہا۔ "انہوں۔" عاقب نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "تین ننّھے سُراغ رساں کبھی ہمّت نہیں ہارتے۔"

"میں تو اِس بات کا قائل ہو گیا ہوں۔" انور صاحب نے کہا۔

سب یہ سُن کر مُسکرانے لگے۔